فرد پر

عبادت کے اثرات

(روحانی، اخلاقی، عقلی اور جسمانی پہلو سے تجزیہ)

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

ایفا پبلی کیشنز – نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	فرد پر عبادت کے اثرات
		(روحانی، اخلاقی، عقلی اور جسمانی پہلو سے تجزیہ)
مؤلف	:	ڈاکٹر صلاح الدین سلطان
مترجمین	:	مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ذکی قمر اثری فلاحی
کمپوزنگ	:	محمد سیف اللہ
صفحات	:	۱۸۴
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۲ء
قیمت	:	۱۲۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱ - ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

مقدمہ	۷
پہلا باب: مسلمان کے روحانی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر	۱۳
پہلی فصل: مسلمان کے روحانی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر	۱۵
دوسری فصل: مسلمان کے روحانی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر	۲۱
تیسری فصل: مسلمان کے روحانی پہلو پر زکوۃ کا تربیتی اثر	۲۷
چوتھی فصل: مسلمان کے روحانی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر	۳۴
پانچویں فصل: مسلمان کے روحانی پہلو پر حج کا تربیتی اثر	۴۱
دوسرا باب: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر	۵۱
پہلی فصل: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر	۵۳
دوسری فصل: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر	۵۸
تیسری فصل: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر زکوۃ کا تربیتی اثر	۶۷
چوتھی فصل: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر	۷۲
پانچویں فصل: مسلمان کے اخلاقی پہلو پر حج کا تربیتی اثر	۸۲

تیسرا باب: مردمومن کی عقل پر عبادات کا تربیتی اثر ۹۳

پہلی فصل: مردمومن کی عقل پر طہارت کا تربیتی اثر ۹۵

دوسری فصل: مردمومن کی عقل پر نماز کا تربیتی اثر ۱۰۰

تیسری فصل: مردمومن کی عقل پر زکوۃ کا تربیتی اثر ۱۱۱

چوتھی فصل: مردمومن کی عقل پر روزہ کا تربیتی اثر ۱۱۳

پانچویں فصل: مردمومن کی عقل پر حج کا تربیتی اثر ۱۱۷

چوتھا باب: مردمومن کے جسم پر عبادات کا تربیتی اثر ۱۲۵

پہلی فصل: مردمون کے جسم پر طہارت کا تربیتی اثر ۱۳۰

دوسری فصل: مردمومن کے جسم پر نماز کا تربیتی اثر ۱۴۸

تیسری فصل: مردمومن کے جسم پر زکوۃ کا تربیتی اثر ۱۵۷

چوتھی فصل: مردمومن کے جسم پر روزہ کا تربیتی اثر ۱۶۵

پانچویں فصل: مردمومن کے جسم پر حج کا تربیتی اثر ۱۷۶

خاتمۂ بحث ۱۸۲

مقدمہ

الحمد لله الذي خلق الإنسان في أحسن تقويم، وأنزل له شرعة ترفعه إلى عليين، وتقيه من مهاوي الفتن، ومهالك الفاسقين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد أول العابدين وسيد الأولين والآخرين وعلى آله وصحبه الطيبين الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

جدید تہذیب نے انسانی معاشرہ کی ترقی کی راہ میں لمبی مسافت طے کرلی ہے اور اسے مادی عیش وآرام کے بہت سے وسائل فراہم کئے ہیں۔ اس طرح انسان جدید انکشافات کے سبب پریشانیوں میں گھر گیا ہے اور مشرق کا شکست خوردہ انسان سر پا ؤ رمغرب کی روایات پر دل وجان سے فدا ہے۔ مشرق ومغرب کا انسان آج اپنے امتیازات کھو چکا ہے۔ یہ دراصل جسم کی آسودگی اور روح سے صرف نظر کا نتیجہ ہے، وہ دنیا پر حکومت کرتا ہے لیکن خود اس کے نفس کی لگام اس کے ہاتھوں میں نہیں رہی، اس پر خواہشات کا غلبہ ہوگیا، اس کی قوت ارادی کمزور ہوگئی، اس کا دل سخت ہوگیا اور اس کے اخلاق بدل گئے، درحقیقت وہ خود کو ہلاکت کی راہوں پر گامزن کر کے خود اپنا ہی دشمن بن گیا اور مستقبل ڈھیر سارے خطرات کی نشاندہی کر رہا ہے۔

دنیا کے تمام فلسفوں اور آسمانی مذاہب میں انسان ہی اصلاح اور تغیر کا مرکز رہا ہے، لیکن یہ تمام فلسفے اور تحریف شدہ مذاہب اب آخری سانسیں لے رہے ہیں اور اسلام ہی اس روئے زمین پر تنہا معیار حق ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إن الدين عند الله الإسلام وما اختلف

الذين أوتوا الكتاب إلا من بعد ما جاء هم العلم بغياً بينهم و من يكفر بآيات الله فإن الله سريع الحساب" (آل عمران:۱۹)(اللہ تعالیٰ کے نزدیک واحد دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے علم آجانے کے بعد ہی آپسی رنجشوں کی بنا پر اختلاف کی روش اختیار کی، اور جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرے گا تو جان لے کہ اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہی تمام احکام عطا کرنے والا ہے، یہی وہ ذات ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اور نبی ﷺ کو راہ راست کی نشاندہی کی، اسی بنا پر یہ اسلام کی نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ اس ذات کی طرف سے آیا ہے جس نے اپنے ہی متعلق فرمایا ہے:"ألا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير" (الملک:۱۴)(کیا وہی نہ جانے گا جس نے وجود بخشا ہے اور وہ باریک بیں اور باخبر بھی ہے)۔ چنانچہ اس دین کے خالق کی طرف سے نازل ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ اس ذات کی جانب سے ہے جو نفس کی خصوصیات، انسان کی ضروریات اور ہر فرد کی خواہشات سے واقف ہے جن کے ذریعہ وہ دنیوی اور اخروی سعادت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اسی لئے ایمان کی بنیادیں اور احکام کے حقائق قلبی اعتماد اور عقلی یقین کو وجود بخشتے ہیں کہ اسلام ایسی یکسانیت کا حامل ہے جس کی بنیادیں مضبوط اور ہر اس انسان کے لئے متوازن ہیں جو خواب وخیال کے بجائے حقیقی سعادت کا آرزومند ہو۔

اس تناظر میں ہر باغیرت انسان اپنی قوم اور امت کی حقیقی صورت حال کو دیکھتا ہے جس میں انسانیت اسے تباہی کے دہانے پر نظر آتی ہے، چنانچہ وہ اس کے لئے یہ شفا بخش دوا تجویز کرتا ہے، وہ رحمت خداوندی سے مایوس نہیں اور یہ امید رکھتا ہے کہ اکیسویں صدی کے انسان کی اصلاح ہوگی اور وہ پھر سے اللہ کے رنگ میں رنگ جائے گا۔ اس تعمیر نو کی داخلی بنیادیں متوازن ہوں گی اور پھر وہ اس نئی تہذیب کے ذریعہ اس دنیا کی تعمیر نو کا فریضہ انجام دے گا جس میں روح جسم کے ساتھ ہم آہنگ ہوگی اور اخلاق و مادیت، عقل و دل، فرد اور معاشرہ اور دین اور سلطنت

ایک دوسرے کی معاون اور مددگار رہوں گی۔

اس کتاب کی اہمیت درج ذیل نکات سے واضح ہوگی:

۱- عموماً عبادات پر فقہی احکام کے پہلو سے گفتگو کی جاتی ہے اور اس کے ارکان، مستحبات اور مفسدات بطور خاص پیش نظر ہوتے ہیں، جبکہ ان کے اسرار و حکم، ان میں موجود تربیتی مضامین اور ان کے عملی اثرات نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں، اس کے نتیجہ میں فقہ کا موضوع انتہائی خشک سمجھا جاتا ہے اور بسا اوقات اسے سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

۲- بہت سے لوگ عبادات کی ادائیگی میں شرائط کی مکمل رعایت کرتے ہیں اور فقہی احکام ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن وہ ان کے شرعی مقاصد اور تربیتی اثرات تک نہیں پہنچ پاتے، اس طرح وہ خود اپنے خلاف عمل کرتے ہیں، وہ نماز سے قبل طہارت کے مستحبات کا تو حد درجہ اہتمام کرتے ہیں، لیکن اس کے بعد دل کو بغض و کینہ اور حسد سے پاک کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے، وہ نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں لیکن دیگر کاموں کو اخیر وقت تک ٹالتے رہتے ہیں، وہ زکوۃ تو ادا کرتے ہیں، لیکن مزدوروں کا حق مارتے ہیں اور قرضہ جات کی ادائیگی میں مقررہ وقت سے تاخیر کرتے ہیں، وہ بار بار حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں لیکن اپنے قریبی رشتہ دار سے صلہ رحمی نہیں کرتے اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کی انہیں توفیق نہیں ہوتی، ان کا یہ رویہ بعض لوگوں کو اسلامی احکام سے متنفر کرنے کا سبب بنتا ہے، ان کا اعتماد مجروح ہوتا ہے اور دعوت کا کام کرنے والے مخلصین کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسلام الگ ہے اور مسلمان الگ۔

۳- یہ مسئلہ آج تک واضح نہیں ہوسکا کہ انسان کی متوازن تعمیر کا وہ کیا طریقہ ہو جس میں عبادات کی روح اور اس کے اعلی ترین مقاصد کا بھرپور حصہ اور کردار ہو، کیونکہ تعلیمی اور ابلاغی ادارے سب سے پہلے انسان کی عقلی تعمیر پر توجہ دیتے ہیں، اسی طرح کھیل کود اور نوجوانوں سے

متعلق وزارت جسمانی نشوونما پر توجہ دیتی ہے، چنانچہ لازمی طور پر وزارت اوقاف کو روحانی تربیت پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔

اسی لئے اس بحث کا عنوان "المقاصد التربوية للعبادات" (عبادات کے تربیتی مقاصد) منتخب کیا گیا ہے۔ مقاصد سے مراد وہ اثرات ہیں جو شرعی مقاصد کے مطابق عبادت کو انجام دینے والے شخص پر اس عبادت کے نتیجہ میں مرتب ہوتے ہیں۔ التربویہ (تربیتی) سے مراد وہ ثمرات ہیں جن کا ایک مسلمان کے اندر بارآور ہونا لازمی ہے، مثلاً تزکیہ وترقی اور فرد کی مناسب اصلاح، ترقی اور اصلاح کا یہ عمل مختلف پہلوؤں سے متعلق ہے:

۱- روحانی پہلو: یہ وہ پہلو ہے جو سعادت وبدبختی دونوں کا سبب بنتا ہے، کیونکہ یہ بندے کے اپنے رب سے تعلق کا آئینہ دار ہوتا ہے اور دیگر تمام پہلوؤں پر پوری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

۲- اخلاقی پہلو: یہ وہ پہلو ہے جو دو متضاد اخلاقی صفات کے وجود پذیر ہونے کا سبب بنتا ہے، یا تو وہ اچھے اعمال ہوں گے یا برے، یا تو بلند اخلاقی اقدار ہوں گی، یا حقیر خامیاں، یا تو اس سے معتدل خواہشات صادر ہوں گی یا پھر منہ زور شہوتیں۔

۳- عقلی پہلو: یہ وہ پہلو ہے جس پر یا تو ترقی یافتہ تہذیب کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں یا وہ سابقہ کامیابیوں کو بھی تہس نہس کرڈالتا ہے، وہ زمین میں بھلائی کے کاموں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے یا پھر ان کی بنیادیں کمزور کرنے لگتا ہے، کبھی زمین کی خوشحالی میں اضافہ کی تدبیریں کرتا ہے اور کبھی اس میں تباہی وبربادی اور ویرانی کی راہیں نکالتا ہے۔

۴- جسمانی پہلو: یہ وہ پہلو ہے جو اس زندہ وجود کی نمائندگی کرتا ہے جو روح اور عقل پر مشتمل ہوتا ہے، ہر صلاحیت کی سرگرمی کا دارومدار انسان کے جسمانی وجود کے مضبوط یا کمزور ہونے پر ہے، بسا اوقات نہایت بلند امنگیں کمزور جسم اور نحیف ونزار بدن کے سامنے دم توڑ

دیتی ہیں، جہاں تک بلند ہمت لوگوں کا سوال ہے تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ نا قابل تسخیر جسمانی طاقت کے حامل ہوں تا کہ وہ اس روئے ارض کی اصلاح، اس کی تعمیر اور اس میں بھلائی کی تخم ریزی اور اس کی نشو ونما کے لئے پوری سرگرمی سے کام کرسکیں۔

عبادات کا لفظ شریعت اسلامی میں معاملات کی اصطلاح کے مقابل میں استعمال کیا جاتا ہے، یہ اصطلاح فقہ میں طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کے اسرار واحکام کی عملی باریکیوں پر بحث ومباحثہ کے لئے رائج ہوئی، اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ عبادت صرف انہی چیزوں کا نام ہے جیسا کہ سیکولرزم اور جدت پسندی کے علم بردار دعوی کرتے ہیں، اسی لئے میں عبادت کے اس وسیع مفہوم کی تاکید ضروری سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اس زمین کی خلافت عطا فرمائی ہے، اس کی یہ وسیع تعریف یوں ہے: عبادت ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالی پسند فرماتا ہے خواہ وہ قول ہوں یا ظاہری اور باطنی اعمال، عبادت کی یہی تعریف امام ابن تیمیہؒ نے کی ہے، یہ عقیدہ اور اخلاق پر مشتمل ہے اور ان کے دونوں پہلو اس میں شامل ہیں، یعنی باطل عقائد اور اخلاق رزیلہ سے پاک صاف ہونا اور درست عقیدہ اور بلند اخلاق سے متصف ہونا، جیسے کہ شریعت میں اس کے دونوں ہی ارکان یعنی عبادات اور معاملات شامل ہیں جو زندگی کے ظاہر وباطن دونوں سے منسلک ہیں۔

اس کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کتاب وسنت کی تمام متعلقہ نصوص کو سامنے رکھ کر ان پانچ عبادتوں کے فقہی احکام پر گفتگو کی گئی ہے، پھر ان عبادات کو بحسن وخوبی انجام دینے والے فرد پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ یہ عبادات کس طرح اس کے چاروں پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب متوازن تربیت کے تمام اہم پہلوؤں سے بحث کرتی ہے، لیکن پھر بھی اس میں کسی دوسرے پہلو کا اضافہ ممکن ہے۔

اس بحث کو "في التنوير الإسلامي" نامی سلسلہ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ہم نے

اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- روحانی اور اخلاقی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

۲- عقلی اور جسمانی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے دوسروں کے لئے نفع بخش بنائے کہ وہی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے اور وہی سب سے بڑھ کر دعا قبول کرنے والا ہے۔

صلاح الدین سلطان

پہلا باب:

مسلمان کے روحانی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

پہلی فصل:

مسلمان کے روحانی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر

۱- یہ اسلام کی امتیازی شان ہے کہ اس نے نجاست اور ناپاکی سے نجات حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے تاکہ ایک مسلمان ظاہری طہارت کے ساتھ ساتھ باطنی پاکیزگی سے بھی متصف ہو سکے، حجت الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "سب سے اہم چیز باطن کی پاکیزگی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "صفائی نصف ایمان ہے" (صحیح مسلم، حدیث ابو مالک اشعری: کتاب الطہارہ، باب فضل الوضوء)۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ ظاہری رونق نہیں جو پانی وغیرہ بہا کر حاصل کر لی جائے اور باطن کو انتہائی خراب حالت میں نجاست اور گندگی میں لت پت چھوڑ دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ طہارت کے چار مراتب ہیں: ظاہری وجود کو نجاست اور گندگی سے پاک کرنا، پھر اعضاء اور جوارح کو جرائم اور گناہوں کے ارتکاب سے پاک کرنا، پھر دل کو برے اخلاق اور ناپسندیدہ عادات واطوار سے پاک کرنا اور پھر باطن کو خدا کے سوا ہر کسی سے خالی کر دینا، یہ طہارت انبیاء اور صدیقین کو حاصل ہوتی ہے" (احیاء علوم الدین ۱/۱۲۵-۱۲۶)۔

۲- اس ظاہری اور باطنی طہارت کی بنیاد پر پاکیزہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق قرار پاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فیه رجال یحبون أن یتطهروا واللّٰه یحب المطهرین" (توبہ: ۱۰۸) (اس میں وہ لوگ ہیں جو خوب پاک وصاف رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے)۔ اللہ کی اپنے بندے سے یہ محبت اس کی روح کو صاف وشفاف بناتی ہے جس سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، نفس کو خوشی حاصل ہوتی

ہے اور دل سرور کی لذت سے آشنا ہوتا ہے۔

۳-وضو نفس کو ان گناہوں سے پاک کرتا ہے جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔مالک، نسائی اور ابن ماجہ نے عبداللہ صنابحی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بندۂ مومن وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو غلطیاں اس کے منہ سے نکل جاتی ہیں، جب وہ ناک میں پانی ڈالتا ہے تو غلطیاں اس کی ناک کے راستے سے باہر آجاتی ہیں، جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو غلطیاں اس کے چہرے سے صاف ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کی آنکھوں کے کنارے سے نکل جاتی ہیں، جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو غلطیاں اس کے ہاتھوں سے یہاں تک کہ ناخنوں نے نکل جاتی ہیں، پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو غلطیاں اس کے سر سے یہاں تک کہ اس کے کانوں سے نکل جاتی ہیں، پھر جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو غلطیاں اس کے پیروں سے یہاں تک کہ پیروں کے ناخنوں سے خارج ہوجاتی ہیں، آپ ﷺ نے مزید فرمایا: پھر اس کا مسجد چل کر جانا اور نماز پڑھنا اس کی نیکیوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے'' (موطا امام مالک: کتاب الطہارہ، باب جامع الوضوء ۱/۱۳۱، نسائی: کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین مع الرأس)، اسی طرح بخاری اور مسلم نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی مسلم شخص جب خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر نماز ادا کرتا ہے تو اس نماز اور اس سے متصل نماز کے درمیان کے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں'' (صحیح بخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء والصلاۃ عقبہ)۔

اس طرح وضو کے ذریعہ روح کی پاکیزگی ایسے لوٹ آتی ہے جیسے کہ ایک گندا سفید کپڑا دھلائی اور صفائی کے بعد صاف ستھرا ہوجاتا ہے۔

۴-اعمال طہارت خدا کے ذکر سے مربوط ہیں، جس سے دل کو اطمینان اور نفس کو کشادگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات بہت ساری احادیث سے واضح ہوتی ہے جن میں سے چند

درج ذیل ہیں:

الف- امام مسلم نے حضرت انسؓ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو دعافرماتے: "اے اللہ! میں بدباطن شیطان مردوں اور عورتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں" (صحیح مسلم: کتاب الحیض، باب مایقول إذا أراد أن یدخل الخلاء) اور جب بیت الخلاء سے نکلتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے: "تیری مغفرت کا طالب ہوں اے خدا" یا یہ الفاظ ادا کرتے "شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے تکلیف سے نجات دی اور سکون عطا فرمایا"۔

ب- امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے وضو نہ کیا ہو اور اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جو اللہ کا نام لے کر وضو شروع نہ کرے" (سنن ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی التسمیۃ فی الوضوء، ۳۹۰)۔

ج- امام مسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص بھی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کہتا ہے: "أشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريک له و أشهد أن محمدا عبده ورسوله"، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ وہ جس سے چاہے اس میں داخل ہوجائے" (صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء)، ترمذی کی روایت میں یہ حصہ زائد ہے: "اے اللہ مجھے توبہ کرنے والا اور پاک صاف بنا"

ان اذکار پر اس بے پناہ ثواب کو غنیمت جاننا چاہئے اور ہر عقل مند کو بڑی شدت کے ساتھ ان کا حریص ہونا چاہیے۔ یہ خوش بختی اس بے راہ رو کو حاصل نہیں ہوسکتی جسے شیطان نے ذکر رب سے غافل کردیا ہو اور نتیجہ میں اس کا دل سخت ہوگیا ہو، اس کی روح گناہوں میں لت

پت اور اس کا دل حزن وغم کی آماجگاہ ہو، وہ سعادت وخوش بختی سے عسرت وتنگی میں جا پڑا ہو، دنیا کے سارے اسباب فراہم ہونے کے باوجود اس کے لئے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں، سوائے اس کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے، اور اپنے دل، اپنی زبان، اپنے وجدان اور اپنے اعضاء وجوارح سے اس کا ذکر کرے۔

۵-طہارت وپاکیزگی ایمان کی وہ نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ قیامت کے دن مومن کی شناخت کی جائے گی، اگر یہ علامت نہ ہوتی تو مومن اور کافر قیامت کے دن یکساں ہیئت میں ہوتے، لیکن غسل، وضو اور طہارت وپاکیزگی سے چہرے پر وہ نور پیدا ہوگا اور ہاتھوں اور پیروں میں وہ چمک ہوگی جس کے ذریعہ نیک لوگ بدشکل لوگوں سے ممتاز نظر آئیں گے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اچھی طرح وضو کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن تمہاری پیشانی اور پاؤں چمک رہے ہوں گے، تو تم میں سے جس کے لئے ممکن ہو اپنی پیشانی اور پیروں کی چمک میں اضافہ کرلے'' (مصدر سابق: باب استحباب إطالۃ الغرۃ والتحجیل)، پیشانی کی نورانیت اور پیروں اور ہاتھوں کی چمک وہ روشن علامات ہیں جن سے قیامت کے دن روشنی پھوٹ رہی ہوگی اور اس کے ذریعہ اس دن نبی ﷺ کی شفاعت حاصل کی جا سکے گی۔

۶-ظاہری طہارت روحانی طہارت سے مربوط ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ زندہ لوگوں ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ مردوں کو بھی لازمی طور پر غسل دیا جاتا ہے۔ علامہ کاسانی کہتے ہیں: ''یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک واجب چلا آرہا ہے'' (بدائع الصنائع ۱/۲۹۹، نیز دیکھئے: شرح کتاب النیل لمحمد بن یوسف اطفیش (۲/۲۱۷)، الفقہ للسید محمد الحسینی الشیرازی (۱۲/۲۹۹) اس پر انہوں نے اجماع مستفیض نقل کیا ہے)۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کی میت کو غسل دینا فرض اور ضروری ہے، اگر کسی کو بغیر غسل کے دفن کردیا گیا ہو تو اسے نکال کر غسل دیا

جائے گا'' (المحلی لابن حزم ۴/ ۲۲)۔ چوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جارہا ہے اور یہ بات تمام ہی مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ وہ اچھی حالت میں اور پاک وصاف ہوکر وہاں حاضر ہو، البتہ ایک ایسا بلند مرتبہ بھی ہے جس میں یہ پاکیزگی پانی کے بجائے عمل سے اور غسل کے بجائے قربانی سے حاصل ہوتی ہے اور یہ درجہ ومرتبہ شہید کا ہے، کیونکہ وہ شہادت کی تمنا میں اپنی جان اللہ کے حضور پیش کردیتا ہے اور اللہ کی رحمت، اس کی جنت اور اس کی خوشنودی کا حصول اس کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ یہ شہید گرچہ خون آلود ہوتا ہے جو کہ اصلاً نجس اور ناپاک ہے، لیکن یہ تمام ظاہری کثافتیں اس معنوی اور روحانی پاکیزگی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، جن سے آراستہ ہوکر وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے، اسی لئے اسے غسل دینے کی حاجت باقی نہیں رہتی اور اسی حالت میں اس کی تکفین عمل میں آتی ہے جس میں وہ شہید ہوا ہے (الکافی لابن قدامہ ۱/ ۲۴۷، ۲۵۳، نیز دیکھئے: شرح کتاب النیل ۲/ ۲۱۹)، تاکہ جب وہ اپنے رب سے ملے تو خون کے رنگ میں رنگا ہوا ہو اور اس کے بدن سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی ہو اور اللہ اپنے بندوں میں فخر یہ اعلان کرسکے کہ یہ وہ شہید ہے جس نے اللہ کے لئے اپنی جان اور مال کی قربانی پیش کی ہے۔

۷- طہارت کے بہت سے احکام بلاتردد اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری کے جذبہ سے انجام دیئے جاتے ہیں، عقل ان کی حکمت کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے لیکن دل اس بات پر مطمئن ہوتا ہے کہ یہی درست اور بہتر ہے۔ لہذا جسے طہارت کے لئے پانی نہ ملے وہ تیمم کرے گا اور یہ حقیقی طہارت ہے، اگرچہ بظاہر یہ محض مٹی کو چھو لینے اور بعض اعضاء وضو پر مسح کرلینے سے حاصل ہوجاتی ہے، یہ غسل کا قائم مقام بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمار بن یاسرؓ نے جنابت کی وجہ سے تیمم کے حکم پر عقلی گھوڑے دوڑائے تو اس کی تعمیل یوں کی کہ مٹی میں الٹ پلٹ کر لوٹ پوٹ ہوگئے، لیکن درحقیقت یہ حکم تعبدی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیا جائے، اس پر عمل سے اعتماد اور یقین کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کا دل

شیطان کے ان وسوسوں سے محفوظ ہے کہ وہ صرف ان ہی باتوں پر عمل کرے جو اس کی عقل میں سما سکیں اور جن پر اس کا دل مطمئن ہو، ایسے ہی احکام میں خفین کے نچلے حصے کے بجائے اس کے اوپری حصہ کا مسح کرنا، کسی پانی کا پاک اور کسی کا ناپاک ہونا، پچھلے حصہ سے ریح کے خروج، پیشاب، پاخانہ، مذی اور ودی کی وجہ سے وضو کرنا اور شہوت کی وجہ سے منی کے خروج پر غسل کرنا بھی شامل ہے، جبکہ منی پاخانہ کے مقابلے میں کم درجہ کی نجاست ہے، لیکن اس کا صحیح علم اللہ تعالی کے پاس ہے اور مسلم شخص یقین عقلی کی راہ سے تسلیم قلبی تک پہنچتا ہے، لہذا جب وہ اللہ تعالی کی بادشاہی، اس کی کاریگری اور بے نظیر تخلیق کا مشاہدہ کرتا ہے اور قرآن کی آیات اور اس کے اعجاز پر غور کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ہر حکم جو صحیح نص سے ثابت ہے اس پر یقین اور عمل ضروری ہے۔

دوسری فصل:

مسلمان کے روحانی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر

روح کو گناہوں کے داغ دھبے مٹا کر صاف وشفاف بنانے میں نماز نمایاں اور حیرت انگیز کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالی سے مناجات کا ایک بندگانہ طریقہ سامنے آتا ہے اور بندہ کا اللہ سبحانہ تعالی سے ایک حسین رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ درج ذیل صورتوں سے یہ بات واضح ہوجائے گی:

۱- نماز انسان کی روحانی ورزش ہے۔ آج انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کا دلی چین وسکون چھن گیا ہے اور وہ اپنے روحانی وجود سے بے نیاز مادی جسم کی آسودگی میں غرق ہے، جدید مادی تہذیب نے اسے تمام جسمانی آسائشیں مہیا کی ہیں اور اس کی زینت وزیبائش کے تمام اسباب فراہم کئے ہیں، لیکن اس کے نتیجے میں ایک ایسی قوم وجود میں آئی ہے جس کا سینہ تنگ، نفس بیمار، دل خواہشات کا غلام اور روح مضطرب ہے اور اس کے پیچھے جسم کی سیری اور روح کو نظر انداز کئے جانے کا فساد کارفرما ہے۔ اسی وجہ سے نفسیاتی بیماریوں اور اعصابی الجھنوں کا مسئلہ عام ہوگیا ہے، اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اس سے نجات کے لئے خودکشی کی راہ اپنائی ہے اور جو زندہ ہیں وہ مردہ دل، بے مقصد اور بے شعوری کی زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ نماز ایک مسلمان کو قلبی سکون، روحانی ذکاوت اور تندرستیِ نفس عطا کرتی ہے۔ یہ فضل خداوندی سے نفس کی بیماریوں کا علاج کر کے اسے شفا بخشتی ہے۔ امام احمد نے عبداللہ بن محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ سسرالی رشتہ دار کے یہاں گیا جن کا تعلق انصار سے تھا، نماز کا وقت ہوا تو انھوں نے ایک لڑکی سے کہا: وضو کے لئے پانی لے آؤ تاکہ

میں نماز پڑھوں اور راحت حاصل کروں۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ ہمیں یہ بات کچھ نا گوار محسوس ہوئی ہے، تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اے بلال اٹھو اور نماز کے ذریعہ ہمیں سکون پہنچاؤ'' (مسند ۵/۳۷۱)۔ ایک اور روایت میں جو امام احمد نے حذیفہ بن یمانؓ سے نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ ''جب نبی کریم ﷺ کو کوئی مصیبت درپیش ہوتی تو آپ ﷺ نماز کا سہارا لیتے تھے'' (مسند ۵/۳۸۸)۔ اس طرح سے نماز مسلمان کے لئے ایک گھنے نخلستان کی مانند ہے جسے دیکھ کر اسے چین وسکون کا احساس ہوتا ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی بے پایاں محبت اور شفقت وعنایت سے معمور ہوجاتا ہے، اس کے ذریعہ اسے اپنے رب کے عدل وانصاف پر کامل اعتماد ہوجاتا ہے اور وہ اس کی فضل وعنایت کا امیدوار اور اس کی رحمت ومحبت کا آرزومند ہوجاتا ہے، وہ اس کے عفوودرگذر سے بھی مایوس نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب" (رعد: ۲۸) (وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کی یاد سے ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، جان لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو چین وسکون حاصل ہوتا ہے)۔

۲-جب ایک مسلمان اپنی نماز کا پوری طرح خیال رکھتا ہے تو اسے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے میں لطف آنے لگتا ہے اور اس طرح اسے نماز سے حقیقی لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ لذت فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر مداومت برتنے میں معاون ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ قنوت اور قیام لیل کے لطف سے آشنا ہوجاتا ہے، یہ چیز اس قوت میں اضافہ کرتی ہے جو آرام گاہوں کو چھوڑ دینے پر آمادہ کرتی ہے اور شب بیداری سے غفلت کو ناپسندیدہ امر بنادیتی ہے، یہ دل کی زندگی کا بلندترین مقام اور روح کی شفافیت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقناھم ینفقون. فلا تعلم نفس ما أخفی لھم من قرۃ أعین جزاءً بما کانوا یعملون" (سجدہ: ۱۶-۱۷) (ان کے پہلو ان کی آرام گاہوں سے الگ

رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف وطمع کی ملی جلی کیفیت میں پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اسے کوئی نہیں جانتا اور یہ ان کے اچھے عمل کا بدلہ ہے)۔ یہی نماز کی وہ عمدہ حالت ہے جو نفس کو آراستہ کرتی ہے اور دنیوی خوش بختی اور اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنتی ہے۔

۳- نماز نفس کو انتشار سے بچاتی ہے اور دل کو ذہنی رجحانات اور آسمانی اقدار کے درمیان تقسیم ہونے سے محفوظ رکھتی ہے، نماز پڑھنے والا خلوص نیت کے ساتھ دعا سے نماز کا آغاز کرتے ہوئے اپنی سمت متعین کرتا ہے، وہ کہتا ہے: ''میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اس کے حضور سر افگندہ اور یکسو ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں''۔ پھر جب وہ رکوع کرتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی اس دعا کو دہراتا ہے: ''اے اللہ! میں نے تیرے لئے رکوع کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے آگے سر تسلیم خم کردیا، میرے کان، میری نگاہیں، میرا دماغ، میری ہڈیاں اور میرے خون کا ہر قطرہ تیرے آگے سجدہ ریز ہے اور میرا ہر بڑھتا ہو قدم تیری راہ میں ہے''۔ اسی طرح جب وہ سجدہ کرتا ہے تو اس کی دعا یہ ہوتی ہے: ''میرا چہرہ اس ذات کے آگے سجدہ ریز ہے جس نے اسے وجود بخشا ہے، اس کی صورت گری کی ہے اور اسے سماعت وبصارت سے نوازا ہے، بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے باکمال خالق ہے''۔

یہ وہ کلمات ہیں کہ اگر دل ان سے ہم آہنگ ہوجائے اور عقل ان پر فریفتہ ہوجائے تو یہ نفس کو ان خواہشات اور فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت کارگر ہوں گے، جو دلوں سے روگ کی طرح چمٹ جاتے ہیں اور ان کا شکار اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے جس کے دل ودماغ پر شیطان نے قبضہ جمالیا ہو، وہ حیران وپریشان حقیر مقاصد کے حصول کے لئے سرگرداں ہو، اس کی حالت ایسی ہے کہ اگر اپنے مقصد سے کسی قدر قریب پہنچتا ہے تو پاتا ہے کہ یہ تو سراب تھا، اور اگر اس کے حصول میں ناکام رہتا ہے تو مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ یہی وہ نفسیاتی

انتشار ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "واعلموا أن الله يحول بين المرء و قلبه و أنه إليه تحشرون" (انفال: ۲۴) (جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رہتا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھا کئے جاؤ گے)۔

یہ آیت اس تلخ صورت حال کی عکاسی کرتی ہے جس میں لاکھوں انسان گرفتار ہیں اور اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر انہیں ذہنی سکون میسر نہیں ہوسکتا۔

۴-نماز کی حقیقت سے لذت آشنا ہونے اور اس کے اثرات کو ملاحظہ کر لینے کے بعد یہ انسان کے لئے منہج حیات بن جاتی ہے۔ جسے کوئی پریشانی درپیش ہوئی وہ نماز کی طرف لپکا، جو کسی معاملہ میں کشمکش کا شکار ہوا اس نے نماز استخارہ کا سہارا لیا تاکہ پورے اعتماد کے ساتھ وہ راہ اختیار کرے جو خدا تعالیٰ اس کے لئے پسند کرتا ہے، جو کسی تکلیف میں مبتلا ہوا وہ نماز حاجت کی طرف متوجہ ہوا، امام ترمذی نے اس سلسلہ میں ایک روایت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جسے اللہ سے یا کسی شخص سے کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ اچھی طرح سے وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کرے اور نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجے، پھر کہے: "اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو جاننے والا، بردبار اور کریم ہے، پاک ہے وہ خدا جو عرش عظیم کا رب ہے، ساری تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے، اے اللہ میں تیری رحمت کا استحقاق اور تیری مغفرت کا لزوم چاہتا ہوں، ہر نیک کام میں حصہ اور ہر برے کام سے حفاظت کا طلب گار ہوں، اے رحم فرمانے والے! میرے تمام گناہ معاف فرما دے، میرے غم دور کردے اور میری ہر ضرورت جس سے تو راضی ہو پوری فرما دے" (سنن ترمذی: باب ماجاء فی صلاۃ الحاجۃ من أبواب الوتر/ ۴۷۷)۔

کمال عاجزی اور انکساری سے کی گئی یہ دعا نفس کی تکلیف کو دور کردیتی ہے، غموں سے نجات عطا کرتی ہے اور دل کو اطمینان بخشتی ہے۔ راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگ اس بات کے عادی

ہوجاتے ہیں کہ جب بھی انھیں کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے، وہ سگریٹ نوشی اور ان مشروبات کا سہارا لیتے ہیں جسے وہ شراب یا منشیات کہتے ہیں، ان میں ان کی روحانی اور جسمانی ہلاکت کا سامان ہوتا ہے، یہ ان کے اخلاق وکردار میں انحطاط کا سبب بنتی ہیں اور جسے وہ دوا سمجھتے ہیں وہی ان کا اصلی مرض ہوتا ہے، ان کی تکلیفوں میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے غم روز بروز بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس نماز میں قلب کی زندگی اور روح کی شفافیت کا سامان ہے۔ اگر کوئی مسلم کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے یا کسی گناہ میں ملوث ہوجاتا ہے تو فوراً نماز کی طرف لپکتا ہے، جو اس کے دل سے اس گناہ کے سیاہ دھبے کو دور کردیتی ہے، یہ نماز فقہ اسلامی میں ''صلوٰۃ التوبہ'' کے نام سے معروف ہے، اس کے بارے میں ابن ماجہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی ایک عورت کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہوگیا، راوی کہتے ہیں کہ اس سے زنا سرزد نہیں ہوا تھا، وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس کا ذکر کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''و أقم الصلاۃ طرفي النهار و زلفا من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات، ذلک ذکریٰ للذاکرین'' (ہود: ۱۱۴) (دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کرو اور رات کے ابتدائی حصہ میں بھی، بیشک نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں، یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے)۔ اس پر انھوں نے کہا: کیا یہ میرے لئے ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اس پر عمل کرے'' (سنن ابن ماجہ: کتاب إقامۃ الصلوۃ، باب ماجاء في أن الصلاۃ کفارۃ/ ۱۳۹۸)۔ ابن ماجہ ہی نے ایک دوسری روایت علی بن ابو طالبؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی مسلم جو کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرتا ہے، تو اس کا رب اسے لازماً معاف کردیتا ہے'' (مصدر سابق: ۱۳۹۵)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز دل کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، یہ فطرت کو اس کی شفافیت اور نفس کو اس کی پاکیزگی کی طرف لوٹانے کی ضامن ہے، اگر کوئی شخص گناہوں کی آلودگی میں لت پت ہوگیا ہے یا غموں کے بوجھ تلے دب گیا ہے، یا کشمکش اور رنج ودکا شکار ہے تو نماز ہی ان تمام مشکلات کا حل اور ان ساری خرابیوں کی اصلاح کرنے والی ہے۔ نماز کی سب سے درست تشبیہ وہ ہے جو بخاری اور مسلم کی حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ یہ ایک نہر کی مانند ہے جس میں مسلم شخص ہر روز پانچ مرتبہ نہاتا ہے اور نتیجتاً اس کا سارا میل کچیل دور ہوجاتا ہے۔

نماز کی یہی وہ مخفی قوت ہے جس نے ''ڈاکٹر کیس کاریل'' کو یہ کہنے پر مجبور کردیا:

''میرے علم کے مطابق نماز نشاط پیدا کرنے والی سب سے بڑی قوت ہے۔ ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے میں نے ایسے بہت سے مریضوں کو دیکھا ہے جن کے علاج میں ساری جڑی بوٹیاں ناکام رہیں اور جب طب نے تنگ آکر ہار مان لی تو نماز نے اپنا رول ادا کیا اور انھیں ان کی بیماریوں سے شفاعطا کی۔ نماز اس ریڈیم کی مانند ہے جو روشنی کا مرکز ہے، یہ نشاط پیدا کرنے کی مشین ہے۔ نماز کے ذریعہ سے انسان اپنے محدود نشاط میں زیادتی کے حصول کا خواہش مند ہوتا ہے، جبکہ وہ اس قوت سے مخاطب ہوتا ہے جس کا نشاط کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اپنے آپ کو اس عظیم قوت سے وابستہ کرلیتے ہیں جو اس دنیا پر حاوی وقابض ہے، ہم گڑگڑا کر اس سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اس کا ایک حصہ عطا کردے جس کے ذریعہ ہم زندگی کی مشکلات کا سامنا کرسکیں، بلکہ صرف ہماری عاجزی وانکساری ہی تنہا اس بات کے لئے کافی ہے کہ وہ ہماری قوت اور نشاط میں اضافہ کا سبب بنے، ہم پاتے ہیں کہ جو کوئی بھی اللہ کے سامنے ایک بار گڑگڑاتا ہے، اس کی اس عاجزی سے بہت اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں'' (العبادۃ فی الاسلام، ڈاکٹر یوسف القرضاوی: ۲۳۴، نیز دیکھئے: الاعجاز العلمی فی الاسلام، محمد کامل عبدالصمد: ۲۰۵)۔

تیسری فصل:

مسلمان کے روحانی پہلو پر زکوۃ کا تربیتی اثر

زکوۃ مسلم شخص کے روحانی پہلوؤں کی حفاظت اور علاج میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ درج ذیل سطور سے یہ بات واضح ہو جائے گی:

ا- اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین طرز پر وجود بخشا ہے، اسے بلند مرتبہ عطا کیا ہے اور اسے بے پایاں عزت وتکریم سے نوازا ہے، لیکن بسا اوقات یہی انسان انتہائی پستی میں چلا جاتا ہے، اپنی حیثیت کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور اپنی امانت ضائع کرنے لگتا ہے، اس انحطاط کا اولین سبب مال کی محبت میں تجاوز ہے، مال سے یہ محبت اگر معتدل ہو تو فطری ہے اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، جس کے ذریعہ انسان اس زمین کو رونق بخشتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وإنه لحب الخير لشديد" (العادیات: ۸) (بیشک وہ مال کی محبت میں بہت بڑھا ہوا ہے)۔ لیکن مال کی محبت میں غلو انسان کو اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ مال کماتا تو ہے، لیکن اسے ناداروں پر خرچ نہیں کرتا، اس طرح وہ خدا کا بندہ ہونے کے بجائے دنیا کا اسیر اور خواہشات کا غلام ہو جاتا ہے۔ بخاری اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے ہی شخص کے لئے بددعا فرمائی: "بدنصیب ہے دنیا کا غلام، ہلاک ہو گیا درہم ودینار کا پجاری، برباد ہو گیا قیمتی کپڑوں کا رسیا، اگر اسے مل جاتا ہے تو خوش رہتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو غضبناک ہو جاتا ہے۔ ہلاکت ورسوائی ہو ایسے شخص کے لئے، جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائے" (سنن ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب فی المکثرین (۴۱۳۶))۔

یہ بدنصیبی روح کی بدبختی اوردل کی تاریکی ثابت ہوتی ہے، جبکہ اللہ کی محبت پر مال کی محبت غالب آجاتی ہے اور وسائل خدا کی رضا کے بجائے اپنے مقاصد کی تکمیل میں استعمال ہونے لگتے ہیں۔ مال تو اس دنیا کو رونق بخشنے، اس میں باہم زندگی گذارنے اور اس کے ہر پہلو میں رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھنے کا ذریعہ ہے، لیکن جب ان وسائل کے بجائے مال جمع کرنا اور اسے گن گن کر رکھنا ہی مقصد اصلی بن جاتا ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مستحق قرار پاتا ہے:

''ویل لکل همزة لمزة الذی جمع مالا وعدده یحسب أن ماله أخلده کلا لینبذن فی الحطمة وما أدراک ما الحطمة'' (الھمزۃ:۱-۵) (تباہی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب گو کی، جس نے مال اکٹھا کیا اور اسے گن گن کر رکھا، وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا، ہرگز نہیں، وہ اس روندنے والی جہنم میں پھینک دیا جائے گا، تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے اس روندنے والی جہنم کی حقیقت)۔

یہی وہ مقام ہے جہاں زکوٰۃ اپنا رول ادا کرتی ہے، تاکہ وہ نفس کو مال کی محبت میں غلو سے محفوظ رکھ سکے اور حرام وحلال ہر طریقہ سے اس کے حصول پر روک لگا سکے، زکوٰۃ کے اعلیٰ ترین مقصد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم بها وصل علیهم إن صلاتک سکن لهم'' (توبہ:۱۰۳) (ان کے مال سے زکوٰۃ لیجئے کہ یہ ان کو پاک کرے اور اس سے ان کا تزکیہ ہو، اور ان کو دعا دیجئے، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے آسودگی کا باعث ہے)۔

زکوٰۃ انسان کو مال کی غلامی کی گندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے پاک وصاف بندوں کی صف میں شامل کر دیتی ہے جو دنیوی نعمتوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور یہ نعمتیں ان کی غلام ہوتی ہیں، یہ ان کے دل کی گہرائیوں میں جگہ نہیں پاتیں، وہ اس مال کو سخاوت سے خوشی خوشی خرچ کرتے ہیں اور ان پر اس شاکر اور محتسب مسلمان کی تصویر پوری طرح منطبق ہوتی ہے جس کے بارے میں

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''کیا خوب ہے اچھا مال نیک بندے کے لئے'' (مسند امام احمد ۴/ ۱۹۷)۔

۲- انسان کے نفس پر زکوٰۃ کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان پر گفتگو کرتے ہوئے معروف حنفی عالم علامہ کاسانی کہتے ہیں: ''یہ نفس کو گناہوں کی قید سے آزاد کرنے کا ذریعہ ہے، یہ انسان کے اخلاق کو جود وسخا جیسی خوبیوں سے آراستہ کر کے مال میں بخل اور کنجوسی جیسی بری صفات سے نجات دلاتی ہے۔ اس سے انسان فیاضی اور سخاوت کا عادی بنتا ہے اور امانتوں کی ادائیگی اور حقوق کو مستحقین تک پہنچانے سے مانوس ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کو جس مال ودولت سے نوازا ہے، یہ زکوٰۃ اس کی شکرگذاری کا ایک ذریعہ بھی ہے'' (بدائع الصنائع للکاسانی ۲/ ۳)۔

۳- بخل کی بیماری سے حفاظت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ومن یوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون'' (التغابن:۱۶) (جو لوگ نفس کے بخل سے محفوظ رکھے گئے وہی لوگ درحقیقت کامیاب ہیں)۔ گویا فلاح وکامرانی کا دارومدار بخل کی بیماری سے نجات پر ہے اور زکوٰۃ جمع شدہ یا تجارت میں لگے ہوئے مال، کھیتی، مویشی، تجارت اور اس کے علاوہ ہر رزق میں خرچ کی راہ کھول دیتی ہے، اس طرح زکوٰۃ کی شکل میں انسان کے لئے ایک مضبوط قلعہ فراہم ہوجاتا ہے جو اس کے نفس کو بخل کی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے، جو بیماری مسلمان کو لوگوں کی محبت اور خدا کی خوشنودی سے محروم کردیتی ہے، بلکہ اسے اخروی سعادت کے حصول سے بھی روک دیتی ہے۔

بخل اور کنجوسی یہ دونوں صفات غضب الٰہی اور جہنم کے طیش کو دعوت دیتی ہیں اور جنت سے محرومی کا سبب بنتی ہیں، یہی مال ودولت جو دنیوی واخروی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے، اس کے حصول کی حرص، اس کی حفاظت میں مبالغہ اور اس کو گن گن کر رکھنے کی خواہش اسے دنیا

میں بھی بدبختی کا سبب بنادیتی ہے اور آخرت میں بھی یہ شقاء وبدبختی ثابت ہوتی ہے، جبکہ یہ آگ کی سلوں اور ڈسنے والے سانپوں میں تبدیل ہوجاتی ہے، بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالی نے مال سے نوازا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کا مال اس کے سامنے ایسے ڈسنے والے سانپوں کی شکل میں لایا جائے گا جن کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، وہ سانپ قیامت کے دن اس کے گلے کا ہار بن جائے گا اور اسے اپنے جبڑوں سے جکڑ کر کہے گا: ''میں تمہارا مال ہوں، میں تمہارا خزانہ ہوں''، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ وللہ میراث السماوات والأرض واللہ بما تعملون خبیر'' (آل عمران:۱۸۰) (وہ لوگ جو اللہ کے عطا کردہ مالوں میں کنجوسی کرتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے لئے بڑی برائی ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلے میں اس مال کا طوق ڈال دیا جائے گا جس میں وہ آج بخل کرتے ہیں۔ اللہ ہی کے لئے زمین وآسمان کی وراثت ہے اور اللہ تعالی تمہارے کرتوتوں سے خوب باخبر ہے)۔ ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس بھی اونٹ، گائیں اور بکریاں ہیں اور وہ ان کی زکوۃ ادا نہیں کرتا، تو یہ چوپائے قیامت کے دن مزید بڑے اور موٹے تازے ہوکر آئیں گے، وہ اسے اپنی سینگوں سے ماریں گے اور اسے اپنے پیروں تلے روندیں گے، وہ مسلسل اسی طرح کرتے رہیں گے اور جب ان میں سے آخری اس عمل سے فارغ ہوجائے گا تو پہلا پھر آجائے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے سامنے اس کا فیصلہ کردیا جائے''

(صحیح بخاری: باب التفسیر، باب ''ولا یحسبن الذین یبخلون...'' (۴۵۶۵، ۱۴۰۳)۔

۴- زکوۃ نہ ادا کرنے والے کی اس تاریک تصویر کے مقابلہ میں زکوۃ ادا کرنے والے اور اپنا مال خرچ کرنے والے شخص کی ایک روشن تصویر ہے جو دل ودماغ کو خوشی ومسرت

سے معمور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ألم يعلموا أن الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ الصدقات و أن الله هو التواب الرحيم" (التوبۃ: ۱۰۴) (کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات بھی، اور اللہ تعالیٰ نہایت توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے)۔ اسی طرح امام بخاری حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنی پاکیزہ کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ رزق قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور اس کی نشو ونما فرماتا ہے جیسا کہ تم بچوں کی پرورش کرتے ہو، یہاں تک کہ وہ کھجور کے برابر صدقہ پہاڑ کے مانند ہوجاتا ہے" (صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ من کسب طیب (۱۴۱۰))۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا شعور انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ غم زدہ لوگوں سے ان کے غم دور کرنے کی کوشش کرے، ناداروں کو ان کی محرومی سے نجات دلائے اور بھوکے اور اپاہج شخص کو اس کی زندگی کے تحفظ کے لئے کچھ دے دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو اس بات کا احساس ہوگیا کہ مال کی قیمت اسے خدا کی راہ میں فراخ دلی کے ساتھ رضائے رب کے حصول کی خاطر خرچ کردینا ہے، تو وہ نیکی کے ہر کام میں خرچ کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے، اسی سلسلہ کی ایک روایت جسے واقدی، ابن سعد اور ابن کثیر نے نقل کیا ہے، ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح سے صحابہ کرامؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر مال خرچ کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کی تھی، سب سے پہلے خوب مال پیش کرنے والے حضرت ابوبکرؓ تھے، جنھوں نے اپنا سارا مال دے دیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال پیش کیا، عباسؓ نے ایک اونٹ دیا، طلحہ بن عبد اللہؓ نے ایک اونٹ دیا، محمد بن مسلمہؓ نے ایک اونٹ دیا، عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو اوقیہ دیا، سعد بن عبادہؓ نے ایک

اونٹ دیا، عاصم بن عدی نے نوے وسق کھجور صدقہ کیا، عثمانؓ نے ایک تہائی فوج کو ساز وسامان فراہم کیا اور اس موقع پر سب سے زیادہ خرچ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے عطا کردہ ساز وسامان سے پوری فوج کے لئے رسد کا انتظام ہوگیا۔ ان میں کوئی شخص ایک اونٹ لے کر آتا اور دو لوگوں کے حوالہ کر کے کہتا کہ یہ تم دونوں کے لئے ہے، باری باری سے اس پر سوار ہو لینا، یہاں تک کہ عورتوں نے بھی بقدر استطاعت صدقہ کیا اور رسول ﷺ کے سامنے رکھا ہوا کپڑا، عورتوں کے زیورات، پازیبوں اور انگوٹھیوں سے بھر گیا'' (المغازی للواقدی ۳/ ۹۹۱-۹۹۲، الطبقات الکبری لابن سعد ۲/ ۲۳۸)۔

امام سیوطی نے حضرت عائشہؓ اور عروہ بن زبیرؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، وہ سب انھوں نے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق خرچ کردئے، ایک بار مسجد میں داخل ہوئے تو ایک سائل کو سوال کرتے ہوئے پایا، آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور وہاں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا، آپ نے وہ ٹکڑا اس سے چھین کر سائل کو دے دیا'' (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۷۷)۔

ابن الجوزی کی روایت ہے کہ ابوبکر دحداح نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا: ''أقرضوا اللّٰه قرضا حسناً'' (المزمل: ۲۰) (اور اللہ کو بہترین قرض دو) تو انھوں نے اپنا ایک باغ صدقہ کردیا جس میں کھجور کے چھ سو درخت تھے اور وہ ان کا سب سے عمدہ باغ تھا'' (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۲/ ۲۵۲-۲۵۳)۔

یہ صحابہ کرامؓ کے معاشرہ کی ایک جھلک ہے جس میں ہر صحابی فرض زکوۃ سے آگے بڑھ کر مزید خرچ کے لئے کوشاں رہتا تھا، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ایمان کی صداقت اور دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبہ سے ہے جو مال کی محبت کو اعتدال کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز کردے۔ یہی تصویر کا وہ رخ ہے جس سے ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں آراستہ ہونا چاہئے۔

۵-صدقۂ فطر میں روحانیت کا عظیم مقصد پوشیدہ ہے، جس کی طرف ابن ماجہ کی اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''صدقۂ فطر روزہ دار کو فضول ولایعنی باتوں اور بیہودگی سے پاک کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے اور اس لئے تا کہ مسکین اپنا پیٹ بھر سکیں'' (سنن ابن ماجہ: کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الفطر: ۱۸۲۷)، چنانچہ صدقۂ فطر چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، مرد اور عورت سب کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اسی لئے یہ تمام کے حق میں واجب ہے۔ وہ اپنا مال اپنے سے غریب پر خرچ کرتے ہیں اور اس طرح یہ صدقہ ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں طہارت سے جسم کی ظاہری طہارت نہیں، بلکہ روح کی باطنی طہارت مراد ہے۔

چوتھی فصل:

مسلمان کے روحانی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر

ایک مسلمان کے روحانی پہلو کو سب سے بہتر انداز میں متاثر کرنے والی عبادت روزہ ہے۔مندرجہ ذیل نکات سے یہ بات واضح ہوجائے گی:

۱- اگر روزہ میں اس کے آداب وارکان کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ تقویٰ پیدا کرتا ہے اور تقویٰ اصلاح نفس کی بنیاد ہے،تقویٰ کے نتیجہ میں وہ سعادت وخوش بختی نصیب ہوتی ہے جو سارے رنج وغم اور خوف وہراس سے بے نیاز کردیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**فمن اتقى و أصلح فلا خوف عليهم و لا هم يحزنون**'' (الاعراف:۳۵) (جوکوئی تقویٰ اختیار کرے گا اور نیک عمل کرے گا اسے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ رنج وغم)۔ہم جانتے ہیں کہ خوف اور غم ہی نفسیاتی کشمکش کی بنیادیں ہیں،جبکہ تقویٰ اور اصلاح کے ذریعہ مستقبل کا ہر خوف اور ماضی کا ہر غم بے معنی ہوجاتا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ تقویٰ وہ میزان فراہم کرتا ہے جس سے ایک مسلم شخص تاریکیوں میں بھی راہ یاب ہوتا ہے اور آفات ومشکلات اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب**'' (الطلاق:۲) (جو اللہ کا تقوی اختیار کرے گا، اللہ اس کے لئے راہ نجات پیدا کردے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق فراہم کرے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتا)۔ایک مسلم جب تک متقی اور پرہیز گار رہتا ہے، ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے دائرہ حفاظت میں ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:''**ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم و لا هم يحزنون**'' (یونس:۶۲) (سن لو کہ اللہ کے

مقرب بندوں کو نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی ماضی کا کوئی غم)۔

رہا یہ سوال کہ مسلمان کی اخروی سعادت پر تقویٰ کا کیا اثر ہوتا ہے؟ تو ایک مسلمان کی مسرت وخوشی اور اس کے اطمینان قلب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس فرمان خداوندی پر یقین رکھے: "إن المتقين في مقام أمين في جنات وعيون يلبسون من سندس واستبرق متقابلين كذلك وزوجناهم بحور عين يدعون فيها بكل فاكهة آمنين لا يذوقون فيها الموت إلا الموتة الأولىٰ ووقاهم عذاب الجحيم" (الدخان: ۵۱-۵۶) (بے شک متقی لوگ چین وسکون کے گھروں میں ہوں گے، باغوں اور چشموں میں۔ وہ باریک اور دبیز ریشمی پوشاک پہنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے، ایسا ہی سلوک ہوگا ان کے ساتھ، اور ہم ان کی شادی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کردیں گے، وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگائیں گے، وہ اپنی پہلی موت کے بعد کسی موت کا مزہ نہیں چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انھیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

۲- ایک مسلمان جسے خدا سے محبت ہوتی ہے روزہ کا پابند ہوتا ہے، وہ ماہ رمضان کا شدت سے انتظار کرتا ہے تا کہ خود کو پوری طرح گناہوں اور گندگیوں سے صاف کر سکے اور اپنے نفس کو معاصی اور کدورتوں سے پاک کرے، یہ روزہ اس کے دل کے زنگ دور کر دیتا ہے۔ بخاری نے ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ احتساب کی نیت سے نمازیں پڑھیں اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے، اسی طرح جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ احتساب کی نیت سے روزے رکھے اس کے تمام گناہ معاف کردیئے گئے" (صحیح بخاری: کتاب الصیام؛ باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا(۱۹۰۱))۔ اس طرح جب رمضان ختم ہوتا ہے تو ایک مسلمان روزے سے مانوس ہو جاتا ہے اور روزہ اس کی قلبی سعادت کا مصدر وماخذ بن جاتا ہے جو بفضل خدا اسے اطمینان کی دولت

سے سرفراز کرتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ شوال کے روزے رکھتا ہے، ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے روزے رکھتا ہے، عرفہ کے روزوں کے سلسلہ میں چاق وچوبند رہتا ہے، نو اور دس محرم کے روزے اس سے چھوٹ نہیں سکتے، شعبان میں کثرت سے روزے رکھتا ہے، پورے سال دوشنبہ اور جمعرات کے روزے رکھنا نہیں بھولتا، اگر ممکن ہوتو ہر دوسرے دن روزہ رکھتا ہے اور کم از کم مہینے کے تین روزے تو ہرگز نہیں چھوڑتا، اس طرح ایک مسلم مرد اور عورت ہمیشہ کے لئے گناہوں سے پاک صاف ہوجاتے ہیں، شاید اسی لئے امام مسلم نے کتاب الصیام میں ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: ''نبی ﷺ کا روزہ رکھنا اور اس بات کی خواہش کہ کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ رہے''۔ ایک مومن کے لئے اس سے بڑھ کر شرف کی کیا بات ہوسکتی ہے کہ وہ روزہ رکھتے ہوئے اس حدیث قدسی کو سامنے رکھے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''روزہ میرے لئے ہے اور اس کا بدلہ بھی میں دوں گا، بندہ اپنی خواہشات اور کھانا پینا میرے لئے چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشی کے مواقع ہیں، ایک خوشی اس وقت جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی جب وہ اپنے رب سے ملے گا'' (صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب ہل یقول صائم إذ اشتم (۱۹۰۴))۔ لہٰذا روزہ وہ عبادت ہے جو صرف اور صرف خدا ہی کے لئے کی جاتی ہے، اس کا بدلہ بندے پر دنیا میں رحمت خداوندی کی صورت میں نازل ہوتا ہے جس سے اسے خوشی ومسرت کا احساس ہوتا ہے اور آخرت میں اس کا فضل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوزی اور جہنم سے نجات کی صورت میں ملے گا۔ امام مسلم ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ کے لئے ایک روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان ستر سال کی دوری پیدا کردیتا ہے'' (صحیح مسلم: کتاب الصیام: باب فضل الصوم ۱/ ۶۵۴، ابن ماجہ (۱۶۳۸))۔

۳- ایک مسلمان ماہ رمضان میں خاص قسم کا روحانی نشاط محسوس کرتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک مہینے میں سرکش شیاطین کو قید کردیتا ہے اور فرشتوں کو بھیجتا ہے جو

آواز لگاتے ہیں: ''اے خیر کے طلب گار آگے بڑھو، اے شر پسند پیچھے ہٹ جاؤ''۔ پھر بندے کا یہ احساس بھی اس میں معاون ہوتا ہے کہ رمضان میں ایک فرض کی ادائیگی کا ثواب دوسرے مہینوں کے ستر فرائض کے برابر ہے، اس مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے، یہ جہنم سے نجات کا مہینہ ہے، اللہ کی طرف رجوع کا مہینہ ہے، یہ شب قدر کی جستجو اور آخری دس دنوں میں اعتکاف کا مہینہ ہے، یہ ایک ایسی روحانی خوراک کی مانند ہے جس کا مقابلہ پورے سال کوئی دوسری خوراک نہیں کر سکتی، سوائے اس حج کے جو رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر کیا جائے۔

۴-ماہ رمضان میں ایک طرف تو مسلمان دن میں روحانی نشاط محسوس کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنی خواہشات خدائے تعالیٰ کے لئے ترک کر دیتا ہے، دوسری طرف وہ نماز تراویح میں قیام لیل کے ذریعہ رات کے اوقات میں بھی اس روحانی نشاط سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ شاید کم ہی لوگ ایسے ہوں جو پورے سال ہر رات آٹھ رکعتوں اور ان میں طویل قراءتوں کے ذریعہ اس روحانی نشاط کا لطف اٹھاتے ہوں۔ مگر رمضان میں لوگوں کی بڑی تعداد نماز تراویح کا اہتمام کرتی ہے۔ اگر کسی کی کچھ رکعتیں رہ گئیں تو وہ اسے گھر یا مسجد ہی میں پوری کرتا ہے، یہی معاملہ فجر سے پہلے سحری کے لئے بیدار ہونے اور خدا کے حضور دست بدعا ہونے کا بھی ہے، ایک مسلمان جب سحری کے لئے اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی دعا سے شرف یاب ہوتا ہے، امام احمد حضرت ابو سعید خدریؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سحری سراپا برکت ہے، لہٰذا اسے ہرگز نہ چھوڑو اور کم از کم پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے سحری کرنے والوں کے حق میں دعا کرتے ہیں'' (مصدر سابق ۱/۴۶۶)۔

۵-روزہ کی روحانی بخششوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ ابن ماجہ عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''روزہ دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے وہ نامنظور نہیں کی جاتی'' (سنن ابن ماجۃ کتاب الصیام، باب فی الصائم لا

ترمذی(۱۷۵۳))۔ یہ دعا انسان کی دنیوی واخروی سعادت کی کنجی ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے باصرار یہ دعا کرتا ہے کہ وہ اس کے دنیوی امور کی اصلاح فرمائے اور آخرت میں بھی جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔

۶۔مسلم مرد اور عورت برابر ایک خیر سے دوسرے خیر کی جانب گامزن رہتے ہیں، اس طرح دل کا تعلق اللہ سے مزید مضبوط ہوتا ہے اور یہ تعلق دنیا سے کم ہوتا چلا جاتا ہے، بالآخر اسے احساس ہوتا ہے کہ اسے اپنے رب کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کرنے کی ضرورت ہے، وہ اس کے لئے مہینے کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کا سہارا لیتا ہے، تاکہ شوق وخوف اور امید وبیم کے جذبات سے محبت کا یہ رشتہ مزید پروان چڑھے، اس کی زبان دن رات تلاوت قرآن سے تر رہتی ہے، اس کے کان اذان کی آواز سن کر محظوظ ہوتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی جدت پر غور وفکر کرتا ہے، اس کے نتیجے میں اس کی آنکھیں عذاب الٰہی کے خوف سے اشک بار ہوجاتی ہیں اور دل رحمت خداوندی کی آرزو اور امید کے سہارے مطمئن ہوتا ہے، وہ اپنے رب کے حضور قیام وقعود میں اضافہ کردیتا ہے، یہ چیز اس کے دل کو سیرابی اور نفس کو خوشی عطا کرتی ہے، اس کے جسم کو ایک نئی زندگی حاصل ہوتی ہے اور مخلوق میں وہ ایک بلند مقام پر فائز ہوجاتا ہے، پھر جب وہ وصال کی حلاوت سے آشنا ہوتا ہے، تو تراویح کے ساتھ تہجد کا بھی اہتمام کرتا ہے، ذکر کے ساتھ ساتھ دعا کرتا ہے، استغفار کے ساتھ حمد وثنا بھی بیان کرتا ہے، گڑگڑاتا بھی ہے روتا بھی ہے، جہاں اس کے اندر محبت کے نغمے پھوٹتے ہیں وہیں خوف سے اس کے رونگٹے بھی کھڑے رہتے ہیں، اس خیر سے کوئی بدبخت ہی محروم رہ جاتا ہے اور یہ مقام متقی لوگوں ہی کو نصیب ہوتا ہے، نفس اس پرسوز اور خوش کن نغمے پر جھوم اٹھتا ہے اور اس کی محبت میں ڈوب جاتا ہے۔ یہاں تک کہ عید کا دن آپہنچتا ہے، اب وہ اپنا انعام وصول کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، فرشتوں سے مصافحہ کرتا ہے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہے، فقیروں پر شفقت کرتا ہے،

بروں کی غلطیوں سے درگذر کرتا ہے اور ان کے گناہوں کے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہے، پیچھے رہ جانے والوں کو ترغیب دیتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، وہ یہ سب کچھ اللہ تعالٰی کی زیر نگرانی کرتا ہے، اس خلوت کے بعد وہ اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ ہوجاتا ہے، یہ خلوت انسان کو فطرت سلیمہ کی طرف واپس لے آتی ہے، اس کے ذریعہ روح اپنی صفائی اور پاکیزگی کو برقرار رکھتی ہے اور وہ شخص دنیا وآخرت میں سعادت وکامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

۷- رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرنا سنن مستحبہ میں سے ہے۔ بخاری اور مسلم حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ''جب رمضان کے آخری دس دن آتے تو نبی کریم ﷺ پوری طرح تیار ہوجاتے، شب بیداری کا اہتمام کرتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے'' (صحیح بخاری: کتاب فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان (۲۰۲۴)، صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب اجتہاد فی العشر الأواخر من رمضان (۱/ ۳۸۰)، حدیث میں ''شد مئزرہ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کا ترجمہ ہم نے ''پوری طرح تیار ہوجاتے تھے'' کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد بیویوں سے قطع تعلق کرلینا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری لابن حجر ۴/ ۳۱۶)۔

یہ اعتکاف عظیم ترین روحانی عمل ہے، جس کا مقصد ہر قسم کی گندگی سے نفس کی صفائی اور روح کی پاکیزگی ہے۔ کیونکہ اعتکاف استاذ احمد غراب کے الفاظ میں نہ تو دنیا سے فرار ہے اور نہ ہی رہبانیت، بلکہ یہ تو زندگی کے سفر میں ایک مختصر سا وقفہ ہے، جس میں باریک بینی کے ساتھ اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ زندگی کے اس سفر میں کتنا راستہ طے ہوچکا اور کتنا مزید باقی ہے، اس میں ایک عبادت گذار بندہ سب سے الگ تھلگ گوشہ نشین ہوکر اپنا احتساب کرتا ہے کہ خدائے تعالٰی کے حقوق کی ادائیگی میں اس سے کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں؟

اعتکاف نفس کو خدا کے راستے پر برقرار رکھنے کا نام ہے، یہ امید وبیم کی دنیا کی سیر ہے، یہ اللہ کی جانب ایک سفر ہے جس میں تقویٰ ہی زادراہ ہوتا ہے، یہ نفس کے لئے ایک تسبیح ہے جس

ہے کہ اس میں پوشیدہ خیر کی حوصلہ افزائی ہوسکے، یہ برائی کے ان حملوں سے مجاہدہ اور کشمکش ہے جن کا نفس تابع ہوجاتا ہے۔ راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت کرنا، خدا کے ذکر سے ہمہ وقت زبان تر رکھنا، نوافل کا اہتمام، نماز میں خشوع وخضوع کی عادت اور مسجد کے ذریعہ اللہ کے واسطے کسی سے گہری اخوت وبھائی چارگی اور ان سب سے بڑھ کر روزہ اور ماہ صیام کی فضیلت، یہ ساری چیزیں مل کر ایک مسلمان میں پوشیدہ خیر کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں اور بھلائی کے کاموں میں اسے ثابت قدمی عطا کرتی ہیں۔

پانچویں فصل:

مسلمان کے روحانی پہلو پر حج کا تربیتی اثر

حج اللہ تعالی کی جانب ایک سفر ہے جس میں ایک مسلمان ان تمام دنیوی متعلقات سے خالی ہو جاتا ہے جو پیدائش کے وقت سے اس کے ساتھ ہوتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے کپڑے بھی الگ کر دیتا ہے، وہ اپنی ان تمام عادات واطوار کو بدل دیتا ہے جن کا وہ عادی ہوتا ہے، مثلاً خوشبو لگانا، تیل لگانا، بال بنوانا، ناخن تراشنا، سر ڈھکنا اور شکار وغیرہ، حاجی اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو چھوڑ کر ہر چیز سے بے نیاز صرف اللہ تعالی کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اور اس کے دل میں صرف توبہ وانابت، ذکر ودعا اور قنوت کا سچا جذبہ اور شوق ہوتا ہے، یہ تمام چیزیں انسان کے روحانی پہلو کی اصلاح میں بڑی معاون ہوتی ہیں۔ یہ بات درج ذیل نکات سے واضح ہو جائے گی:

ا۔ کسی کام کو انجام دینے والے شخص کا دل اس وقت خوشی سے بھر جاتا ہے جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے معمولی سے کام پر بڑا اجر ہے، یہی حال حاجی کا اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس شخص کے سلسلے میں اللہ تعالی کے وعدے کو پڑھتا ہے جس نے حج یا عمرہ کی غرض سے بیت اللہ کی زیارت کی ہو، اسے پڑھنے کے بعد اس کا دل سکون واطمینان سے معمور ہو جاتا ہے، اور اسی وجہ سے روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش کروٹیں لیتی ہے کہ اللہ تعالی اسے حج بیت اللہ اور نبی ﷺ کی زیارت سے شرف یاب فرمائے۔ یہ وہ شدید خواہش ہے جس میں ایک بچہ نشو ونما پاتا ہے، بڑے اس فکر میں گھلتے ہیں اور بوڑھوں کو اس کی حسرت ہمہ

وقت بے چین رکھتی ہے کہ ان کی آنکھیں موت سے قبل بیت اللہ، مکہ، منی، عرفہ، مزدلفہ اور مدینہ منورہ کا دیدار کرلیں۔ اس کا سبب وہ بہت سی نصوص ہیں جو حج اور عمرہ کی فضیلت کے سلسلہ میں موجود ہیں۔ ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

الف- بخاری اور مسلم حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرہ اگلے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور حج مبرور کا بدلہ تو سیدھی جنت ہے'' (صحیح بخاری: کتاب العمرۃ؛ باب وجوب العمرۃ (۱۷۷۳)، صحیح مسلم: کتاب الحج؛ باب فضل الحج والعمرۃ ۱۶۶/۵، الجامع الصحیح للامام الربیع بن حبیب (۴۳۱)۔

ب- ترمذی، نسائی اور احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حج اور عمرہ لگاتار کرتے رہو کیونکہ یہ تنگ دستی اور گناہوں کو اسی طرح دور کردیتے ہیں، جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کی گندگیوں کو دور کردیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب تو جنت ہی ہے'' (سنن ترمذی: باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرۃ (۸۰۷)، سنن نسائی: کتاب المناسک؛ باب فضل المتابعۃ بین الحج والعمرۃ ۱۱۵/۵، الفاظ ترمذی کے ہیں اور انہوں نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے)۔

یہ اور اس طرح کی دوسری نصوص ان لوگوں کے شوق واشتیاق اور تڑپ میں اضافہ کرتی ہیں جو حج اور زیارت نبوی ﷺ سے محروم ہیں، پھر جو لوگ اس سعادت سے ہمکنار ہوچکے ہیں، ان کا حال بھی یہ ہے کہ جو شخص ایک یا جتنی بار وہاں جاتا ہے اتنا ہی اس کے تعلق اور اس کی رغبت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ زیارت اور حج وعمرہ کا عادی ہوجاتا ہے۔ آپ کو کوئی مسلمان جس کے اندر ذرہ برابر بھی ایمان ہو ایسا نہ ملے گا جس کے دل میں اس ایمانی سفر کی حسرتیں نہ مچلتی ہوں، یہاں تک کہ فاسق اور فاجر مسلمان بھی اس فریضہ کی ادائیگی میں سچی رغبت رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی انھیں اس سے شرف یاب فرمائے۔

۲- حج اور عمرہ دونوں ہی دل کو از سر نو پاک وصاف کرنے اور اسے اللہ کے ذکر سے مطمئن کرنے کے سنہری مواقع ہیں۔ یہ ذکر الٰہی کا سفر ہے جس پر مداومت کے ذریعہ دل کو سیرابی حاصل ہوتی ہے، اگر ہمارے اس بدن کو چند لقمے آسودہ کر سکتے ہیں تو دل کو سیراب کرنے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں۔ حج یا عمرہ کرنے والا شخص جب اپنے دنیوی مشاغل کو ترک کر کے اس مقدس سرزمین پر پہنچتا ہے اور اپنا قدم بیت اللہ میں رکھتا ہے، تو اس کے دل کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے اسے کسی چیز کے ذریعہ آسمان کی بلندیوں سے باندھ دیا گیا ہو اور اس کا ربط عرش عظیم سے استوار ہو گیا ہو، اس کے بعد انسان کو اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا کہ اس کے دل اور زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو جائے۔ قرآن وحدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اذکار کا یہ سفر دل کو زندگی بخشنے کی غرض سے ہے، ان میں سے چند نصوص درج ذیل ہیں:

الف- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف**'' (الحج:۳۶) (قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نام کی نشانی قرار دیا ہے، اس میں تمہارا بھلا ہے، ان کو قطار میں باندھ کر ان پر اللہ کا نام لو)۔

ب- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام**'' (البقرۃ:۱۹۸) (پھر جب تم عرفات سے طواف کے لئے نکلو تو مشعر حرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو یاد کرو)۔

ج- فرمان خداوندی ہے: ''**فإذا قضيتم مناسككم فاذكروا الله كذكركم آباءكم أو أشد ذكرا**'' (البقرۃ:۲۰۰) (پھر جب تم اپنے مناسک حج ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو، اس سے زیادہ جتنا کہ تم اپنے باپ داداؤں کو یاد کرتے ہو)۔

د- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''**واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في**

یومین فلا إثم علیه ومن تأخر فلا إثم علیه لمن اتقی'' (البقرۃ:۲۰۳)(اور اللہ کو متعین دنوں میں یاد کرو، تو جو کوئی دو دنوں میں جلدی چلا گیا تو اس پر گناہ نہیں، اور جو رہ گیا اس پر بھی گناہ نہیں جو کہ خدا سے خوف کرتا ہے)۔

ھ- دارمی نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں: ''بیت اللہ کا طواف، رمی جمار اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا مقصد اللہ کا ذکر قائم کرنا ہے'' (سنن دارمی: کتاب المناسک (۱۸۵۳))۔

ان نصوص سے دل کے ذکر کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، حاجی جس کا دل عاجزی فروتنی سے معمور ہوتا ہے، تمام شعائر کی ادائیگی کرتے ہوئے ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ شاید حضرت عائشہؓ نے مناسک حج کے بنیادی جوہر کی طرف بالکل صحیح اشارہ فرمایا ہے، جیسا کہ انھوں نے تمام مناسک کا مقصد اقامت ذکر خداوندی کو قرار دیا ہے، کہ اسی میں دلوں کی زندگی اور شفاء ہے۔

۳- تلبیہ کا تعلق بھی اسی سے ہے اور یہ حج وعمرہ کے خاص شعائر میں سے ہے۔ اس کی فضیلت کے سلسلہ میں ابن ماجہ نے سہل بن سعد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان بھی تلبیہ کہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں اور بائیں جانب کا ہر پتھر، ہر درخت اور ہر مٹی تلبیہ کہتی ہے، یہاں تک کہ روئے زمین کا ہر حصہ اس میں شریک ہو جاتا ہے'' (سنن ابن ماجہ: کتاب الحج: باب التلبیہ ۲/ ۹۷۴)۔

تلبیہ کا مطلب ہے اللہ تعالی کی پکار پر خوشی خوشی لبیک کہنا، خوف اور ڈر کی بنا پر لبیک کہنے کو تلبیہ نہیں کہتے۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو آواز دے تو صرف وہی عورت لبیک کہہ کر جواب دے گی، جسے اپنے شوہر سے شدید محبت ہو اور جو اس سے پوری طرح خوش ہو، پھر اللہ تعالی کے لئے تو یہ محبت اور بھی شدید ہونی چاہئے۔ ایک بندہ تلبیہ کے اعلان کے ذریعہ اس بات کا اظہار کرتا

ہے کہ وہ ایک ایسا دل لے کر حاضر ہوا ہے جو اللہ سے شدید محبت کرتا ہے، اس کی رحمت کا امیدوار ہے اور اس کے عذاب سے ہمہ وقت کانپتا رہتا ہے۔ لیکن یہ تلبیہ محض خدا کی پکار کا جواب ہی نہیں، بلکہ یہ آس پاس موجود اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں خدا کی مخفی محبت کو ابھار دیتا ہے، اور حجر وشجر، مٹی اور پہاڑ، آسمان اور زمین سب کے سب تلبیہ کا نعرہ لگاتے ہیں اور حج یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ ان پاکیزہ کلمات میں شریک ہوجاتے ہیں، یہ انسان اور کائنات کے درمیان ایمانی ہم آہنگی کی اعلیٰ ترین صورت ہے، یہ ہم آہنگی وحدانیت پر قائم ہے اور اس کی بنیاد اللہ کو رب تسلیم کرنے اور صرف اسے ہی عبادت کے لئے مخصوص گردانئے پر ہے۔ یہ وہ احساس ہے جو حاجی کے دل کو قوت وطاقت سے معمور کردیتا ہے، کیونکہ وہ ساری کائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے، اسی لئے جن آیات میں حج کے مضامین بیان ہوئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **"ألم تر أن الله يسجد له من في السماوات ومن في الأرض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وكثير من الناس وكثير حق عليه العذاب"** (الحج:۱۸)۔

(کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ کے آگے زمین وآسمان کی ساری چیزیں، سورج، چاند، تارے، پہاڑ، پیڑ پودے، جانور، چوپائے اور بہت سے لوگ سجدہ ریز ہوتے ہیں، اور بہت سے لوگ وہ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے)۔

یہ آیت کائنات اور مسلم شخص کے درمیان ہم آہنگی کی اعلیٰ ترین صورت گری کرتی ہے۔ شاید یہ ان مقدس مقامات کے ایمانی جذبات کو بیان کرتی ہے، کیونکہ یہ مقامات پورے سال ذکر، دعا اور تلبیہ سنتے رہتے ہیں اور حاجیوں کے ساتھ ان کے تلبیہ میں شریک ہوتے ہیں، نتیجتاً ان کے اندر بھی وہ روحانی خصوصیات اور ربانی خوبیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو دوسری جگہوں میں نہیں پائی جاتیں، یہ اس زمین سے قطعی مختلف ہیں جو فسق وفجور کی مختلف قسموں کا گہوارہ ہے اور

جس پر ہر طرح کی نافرمانی اور شیطانی حرکتوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جس پر سے مومن شخص گذرتا ہے تو اس کا دل گھٹن محسوس کرتا ہے، اس کے برعکس جب وہ اس پاکیزہ سرزمین میں داخل ہوتا ہے تو اس کا دل کشادگی اور سکون واطمینان سے بھر جاتا ہے۔

۴- دعا جو کہ عبادت کی جان ہے، حج وعمرہ کے شعائر میں سے ہے، حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حضور خلوص کے ساتھ دست سوال دراز کرتے اور گڑگڑاتے ہیں۔ جب وہ احرام باندھتے ہیں، جب مکہ یا مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح طواف کے وقت، ماء زمزم پیتے وقت، سعی کرتے ہوئے، عرفہ میں قیام کے دوران قربانی کے وقت، منی میں قیام کے اوقات میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی جگہوں پر دعا مانگنا سنت ہے خواہ وہ نبی ﷺ کے واسطے سے منقول ہو، یا من جانب اللہ وہ مسلمانوں کے دل کی آواز بن جائے۔

نبی ﷺ دورانِ طواف دونوں رکنوں کے درمیان یہ دعا مانگا کرتے تھے: "ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" (البقرۃ) (اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی سعادت نصیب فرما اور آخرت میں بھی خوش بختی ہمارا مقدر بنا اور ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ)۔ آپ ﷺ کوہ صفا پر چڑھ کر یہ دعا فرمایا کرتے: ''اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو تنہا اور اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے ساری بادشاہت ہے، اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے'' (موطا امام مالک: کتاب الحج، باب البدء بالصفا في السعي ۱/ ۳۷۲)۔

وہ مقامات جہاں کثرت سے دعا کی جاتی ہے یا جہاں دعاؤں کی قبولیت کے زیادہ امکانات ہیں، درج ذیل ہیں:

الف- حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت، چنانچہ حاکم نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، اسے ہاتھ سے چھوا، پھر اپنے ہونٹ

اس پر رکھ کر دیر تک روتے رہے، پھر توجہ فرمائی تو دیکھا کہ عمرؓ بھی رو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! اسی مقام پر آنسو بہائے جاتے ہیں" (مستدرک حاکم: ۱۶۷۰(۱/۴۷۲)۔

ب- زمزم کا پانی پیتے وقت، چنانچہ حاکم نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زمزم کا پانی جس مقصد سے پیا جائے وہ پورا ہوتا ہے" (سنن ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب الشرب من ماء زمزم (۳۰۶۲)، حاکم ۱/۶۴۶، رقم: ۱۷۳۹)۔

ج- یوم عرفہ کے دن، کہ یہ ان ایام اور اوقات میں سے ہے جن میں دعا کثرت سے قبول ہوتی ہے۔ امام مالکؒ حضرت طلحہؓ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شیطان یوم عرفہ سے زیادہ کمتر، ذلیل، حقیر اور غضبناک کبھی نہیں دکھائی دیتا، اس کی یہ حالت تب ہوتی ہے جب وہ اللہ کی رحمتوں کے نزول کو دیکھتا ہے اور بڑے گناہوں سے اس کے صرف نظر کا مشاہدہ کرتا ہے" (موطا امام مالک: کتاب الحج ۱/۴۲۲)۔

اسی طرح امام مالکؒ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے افضل دعا یوم عرفہ کی دعا ہے اور سب سے افضل قول وہ ہے جو میں اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کہتے رہے ہیں یعنی "لا إله إلا الله" (موطا امام مالک ۱/۴۲۱)۔

ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک مسلمان کے لئے حسین موقعہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دعائیں کرے، کثرت سے توبہ واستغفار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور گڑگڑائے، اس طرح سے ایک حج یا عمرہ کرنے والا شخص اس دعا کے بعد اس حالت میں واپس لوٹے کہ اس کا دل خدا کے حضور میں عاجزی اور انکساری کے باعث پگھل چکا ہو اور وہ رحمت خداوندی کی امید سے معمور ہو، یہ اس شخص کے لئے جو اس کی لذت سے آشنا ہو قلبی سعادت کا

وسیع ترین دروازہ ہے جسے اللہ تعالیٰ صرف اسی کے لئے کھولتا ہے جو اس حضور جا کر گڑگڑاتا ہے۔

۵- حج کے ذریعہ دل میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بلاتر دد تعمیل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس بات پر یقین مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل آوری ہی کے ذریعہ دنیوی واخروی سعادت کا حصول ممکن ہے، اس کے ذریعہ یہ اعتماد بھی مستحکم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے بندے کا برا نہیں چاہتا، یہ مقدس سرزمین اور اس کا ہر مقام سیدنا ابراہیمؑ کی عظیم فرمانبرداری کا قصہ ہرگز نہیں بھلا سکتا، جب انھوں نے اپنی بیوی اور لڑکے کو اس خشک، ویران، بنجر اور بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ دیا تھا، اور تب اس لڑکے کے قدموں تلے سے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا، جو بھوکوں کے لئے غذا، پیاسوں کے لئے پانی اور ہر بیمار کے لئے شفا ثابت ہوا، جب یہی لڑکا باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو حکم ملا کہ اپنے اس جگر گوشے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردو، اس وقت بھی آپ نے حکم کی تعمیل میں کوئی پس وپیش نہیں کی اور بیٹے نے بھی رضامندی کا موقف اختیار کیا اور باپ کی رضا کے آگے سرتسلیم خم کردیا، اس طرح یہ مقامات اس بے مثال فرمانبرداری کی علامت بن گئے، اور قربانی قیامت تک کے لئے سنت قرار پائی، تاکہ ہر ذی عقل اس بات کو یاد رکھے کہ عقل وحی کی محتاج ہے اور وحی عقل سے بے نیاز نہیں کردیتی اور یہ کہ وہ مسلمان جو اوامر خداوندی کی بلاتر دد تعمیل کرتا ہے دنیا اور آخرت دونوں میں بہترین اجر کا مستحق قرار پائے گا۔

۶- مناسک حج آخرت کی یاد دلاتے ہیں، اسی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ جیطالی کہتے ہیں: ''حج اور عمرہ کا سفر آخرت کے سفر اور اس کی ہولناکیوں کی یاد دلاتا ہے، حاجی کا سواری پر سفر کرنا گویا مردے کا تابوت پر سوار ہونا ہے، اسی طرح جب وہ جنگلات سے گزرتا ہے اور دشوارگزار راستوں سے ہوتا ہوا میقات تک پہنچتا ہے تو یہ سفر اسے موت کی یاد دلاتا ہے جو اسے دنیا سے نکال کر قیامت کے میقات تک پہنچاتی ہے اور اسے اس ہولناکی اور جواب دہی کے

مشاہدہ کا احساس ہوتا ہے جس کا سامنا وہ روز قیامت کرے گا۔ اس کا گھر والوں کو چھوڑ کر تن تنہا نکل کھڑا ہونا اور رہزنوں اور درندوں کا خطرہ مول لینا، اس تنہائی کی یاد دلاتا ہے جس کا سامنا اسے کیڑے مکوڑوں اور خوفناک سانپوں کے ساتھ قبر میں کرنا پڑے گا۔ اس کے مختصر اور کم قیمت کپڑے اور اس کا احرام جو اس کے عام لباس سے ہٹ کر ہوتا ہے، اسے کفن کے کپڑوں کی یاد دلاتا ہے، کیونکہ دونوں ہی کپڑے سلے ہوئے نہیں ہوتے اور وہ ان میں لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ میقات کے پاس اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنا اسے اس داعی کی پکار پر لبیک کہنے کی یاد دلاتا ہے جب کہ صور پھونکا جائے گا اور لوگ قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس کا حرم میں پراگندہ حال اور گرد آلود ہو کر داخل ہونا اس دن کی یاد دلاتا ہے جب اسے قبر سے اٹھا کر کھڑا کیا جائے گا اور اس کی آنکھیں پھٹی پڑ رہی ہوں گی، اس کے ہوش وحواس گم ہوں گے اور اس کا بدن لباس سے عاری ہوگا۔ اس کا تمام زائرین کے ساتھ مکہ میں داخل ہونا قیامت کے دن کی یاد دلاتا ہے جب لوگ جوق در جوق جنت کی سمت گامزن ہوں گے اور ان کے دلوں میں وہاں داخل ہونے کی خواہش مچل رہی ہوگی۔ اس کا بیت اللہ میں جانا اور اس کے پردوں کو تھام لینا اس بات کا غماز ہے کہ اسے ایک دن خداوند کریم کے حضور حاضر ہونا ہے'' (قواعد الاسلام للجیلالی، تصحیح وتعلیق: بکاّی عبد الرحمٰن بن عمر ۲/۱۲۶، ۱۲۷)۔

دوسرا باب:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر عبادات کا تربیتی اثر

پہلی فصل:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر طہارت کا تربیتی اثر

طہارت مسلمانوں کے اخلاق کو پروان چڑھانے میں متعدد پہلوؤں سے مؤثر کردار ادا کرتی ہے، ان میں سے چند پہلو درج ذیل ہیں:

۱- وہ نجاستیں جن سے پاکی حاصل کرنے کو شریعت نے فرض قرار دیا ہے، مثلاً مردار، بہا ہوا خون، کتا، سور، ان جانوروں کا پیشاب اور پاخانہ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا، قے، پیپ، مذی، ودی اور اس قسم کی سبھی نجاستیں پاکیزہ طبائع اور سلیم فطرتوں پر گراں گزرتی ہیں اور ان سے ہمیشہ پاک وصاف رہنا انسان کی نظافت اور پاکیزگی کی فطری حس کو محفوظ رکھتا ہے، یہ بات بھی مسلم ہے کہ ظاہری نجاستیں اخلاقی خرابیوں کا سبب بنتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی نجاست انسان کے کپڑے، اس کے بدن، پانی یا مکان میں لگ جائے تو اس سے پاکی حاصل کرنا واجب ہوجاتا ہے، تاکہ اس کا ظاہر بھی طہارت ونظافت کا آئینہ دار ہو اور اس کا باطن بھی صفائی وپاکیزگی سے منور ہو اور اس طرح وہ اپنی اس فطرت کی حفاظت کرسکے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔

۲- ان نجاستوں سے پاکی حاصل کرنے اور ناپاکیوں سے نجات پانے کے لئے احادیث میں بڑے عمدہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ''استنجاء'' کا لفظ جس کے معنی بلند ہونے یا بلند جگہ کی خواہش کرنے کے ہیں، اسی طرح ''استطابۃ'' کا لفظ ہے جس کا مفہوم پاکیزگی کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول کی کوشش ہے۔ اسی طرح ''وضو'' ہے جس کی اصل "ضوء"

یعنی روشنی ہے، "وضاءۃ" کے معنی خوبصورتی اور پاکیزگی کے ہیں، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ایک مرتبہ چند لوگوں کے پاس سے گزرے جنھوں نے آگ روشن کر رکھی تھی، آپؓ کو علم نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں چنانچہ آپ نے انھیں آواز دی: "اے روشنی والو"، آپؓ نے "اے آگ والو" نہیں کہا۔ یہی اسلامی طریقہ ہے کہ وہ ہر چیز کو حسن بخشتا ہے، خواہ وہ کلمات اور نام ہی کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل لعبادی یقولوا التی ھی أحسن إن الشیطان ینزغ بینھم" (اسراء:۵۳) (میرے بندوں سے کہہ دو کہ بھلی بات کہیں، بیشک شیطان ان میں وسوسہ اندازی کرتا ہے)۔ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی کو دیکھتے کہ اس نے اپنے لڑکے کا برا نام رکھ دیا ہے تو اس نام کو تبدیل کر دیتے۔ امام مسلم نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کو دیکھا جس کا نام "عاصیہ" (گناہگار) تھا، تو آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر "جمیلہ" (خوبصورت) کر دیا" (المسند ۲/۱۸)۔

۳- ایک مسلمان آداب طہارت کے ذریعہ لوگوں کے جذبات واحساسات کی قدر کرنے کا عادی بنتا ہے۔ قضائے حاجت کے وقت لوگوں کے سائے اور ان کے راستے سے ہٹ کر بیٹھنا ضروری ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لاعنین سے بچو"، صحابہؓ نے عرض کیا: "لاعنین کیا ہیں اے اللہ کے رسول!" فرمایا: "جو لوگوں کے راستے یا ان کے سائے میں قضائے حاجت کریں" (صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ باب النہی عن التخلی فی الطرق والظلال)۔

یہ ادب انسان کے اس شعور کو قوت بخشتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کی حفاظت کرے اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرے۔

۴- طہارت کی تمام شکلوں یعنی استنجاء، وضو اور غسل کے آداب میں سے ہے کہ اس دوران پانی کو کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے، خواہ پانی بہتی ہوئی نہر سے کیوں نہ لیا جا رہا ہو۔

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے سعدؓ کو دیکھا کہ وہ بہت زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اسراف کیوں ہے سعد''؟ انھوں نے کہا: ''کیا پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں! اگر تم بہتی ہوئی نہر پر ہو جب بھی پانی میں اسراف نہ کرو'' (سنن ابن ماجہ: کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء: ۴۲۵)۔

یہ ادب فطری طور پر طہارت سے منتقل ہو کر انسان کی ایک عام عادت بن جاتا ہے اور وہ اللہ کی تمام نعمتوں مال و دولت، لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو اعتدال سے خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "والذین إذا أنفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً'' (الفرقان: ۶۷) (وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں)۔

وہ ممالک جو طبعی وسائل خصوصاً پانی کے بے جا اسراف کا رونا روتے ہیں اگر اسلام، اس کے ڈھانچے اور اس کے آداب واحکام کی بنیاد پر لوگوں کو ان وسائل کے درست استعمال کی دعوت دیں اور انھیں میانہ روی کے ساتھ ان وسائل کو خرچ کرنے کا مشورہ دیں تو لوگ بہت تیزی سے اسے قبول کریں گے اور اس کے زود اثر اور دیرپا اثرات برآمد ہوں گے، پھر ان وسائل کی حفاظت کے سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں میں اضافہ ہوگا اور ان کا استعمال زرعی زمینوں میں اضافہ کے لئے ممکن ہو سکے گا، تاکہ ہم غذائی وسائل کے سلسلہ میں دوسروں پر انحصار سے نجات پا سکیں۔

۵-نجاست سے پاکی حاصل کرنا، استنجاء، وضو اور طہارت کا اہتمام کرنا اور جب کبھی ضرورت پیش آئے، یا جب بھی لوگوں کی ایک جماعت میں شریک ہونا ہو، مثلاً جمعہ کی نماز، عیدین، دخول مکہ، عرفہ میں وقوف وغیرہ کے مواقع پر غسل کرنا، یہ تمام چیزیں ایک مسلمان کو ہمہ وقت پاک وصاف رکھنے کا سبب بنتی ہیں اور وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے، کیونکہ نمازوں کی تقسیم دن

رات میں اس طرح ہے کہ وہ سارا دن پاک وصاف رہتا ہے۔ جب وہ سوکر اٹھتا ہے تو سب سے پہلے پاکی اور صفائی کی فکر کرتا ہے، بلکہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص سوکر اٹھنے کے بعد بغیر دھلے ہوئے ہاتھ پانی کے برتن میں ڈال دے، کیونکہ اسے علم نہیں ہوتا کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ کہاں کہاں پڑا ہے (صحیح بخاری: کتاب الطہارۃ، باب کراہۃ غمس المتوضی، وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء)۔ پھر وہ وضو کرتا ہے، جس کے ذریعہ جسم کے وہ تمام حصے صاف ہو جاتے ہیں جن سے گندگی لگنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے، پھر وہ چاشت کی نماز کے لئے وضو کرتا ہے، پھر کام کے دوران ہی وہ ظہر کی نماز کے لئے وضو کرتا ہے، کام سے لوٹ کر جب وہ عصر کی نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو اس کے اعضاء کا میل کچیل نکل جاتا ہے، پھر مغرب اور عشاء میں بھی وہ اس طہارت سے فیض یاب ہوتا ہے جو اسے تمام میل کچیل اور گندگیوں سے پاک صاف ہوکر رات گذارنے کا موقع فراہم کرتی ہے، اس طرح نظافت اس کی عادت اور معمول بن جاتی ہے اور کوئی مسلمان اس بات کو گوارا ہی نہیں کرسکتا کہ وہ اس حالت میں رہے کہ اسے گندگی اور نجاست لاحق ہو، ایسی صورت میں وہ فوراً طہارت حاصل کرتا ہے، خواہ وہ نماز کا وقت ہو یا نہ ہو۔ اس طرح سے ایک مسلمان نظافت جیسی بہترین صفت سے آراستہ ہوجاتا ہے، کیونکہ وہ خدا کی عبادت، اس کی محبت کی طلب اور روز قیامت اس کی رضا کے حصول کی غرض سے پاک وصاف رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے واسطے ہر روز غسل کیا کرتے تھے (فتح الباری لابن حجر ۲/۳۶۱)۔

۶- انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ میت کے غسل کے سلسلہ میں اس اعلیٰ ادب اور عمدہ صفت کو نظر انداز کردے، کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ میت کو فاسق لوگ یا ایسے نیک لوگ غسل دیں جو رازوں کی حفاظت نہ کرسکتے ہوں۔ بلکہ میت کے گھر والوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں کو ساتھ رکھیں جن کے دل رازوں کی حفاظت کے سلسلہ میں قبروں کی مانند ہوں اور وہ میت کا کوئی راز فاش نہ

کریں، اگر میت خدانخواستہ کوئی برا آدمی ہوتو اس کی بدبختی کی علامات اس کے بگڑے ہوئے چہرے اور سیاہی سے ظاہر ہوتی ہیں، اب اگر غسل دینے والا رازوں کی حفاظت کرنا نہ جانتا ہو، تو وہ لوگوں میں اس کا چرچا کردے گا اور مردہ کے دشمن اس سے خوش ہوں گے، جبکہ اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔ ابن ماجہ عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''تمہارے مردوں کو امانت دار لوگ غسل دیا کریں''۔

دوسری فصل:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر نماز کا تربیتی اثر

مسلمانوں کے اخلاق کی درستگی میں نماز اہم کردار ادا کرتی ہے، اس کے اہم اثرات درج ذیل ہیں:

۱-نماز ایک مسلمان کو اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود کا پابند بناتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وأقم الصلوٰۃ إن الصلوۃ تنهى عن الفحشاء والمنكر" (العنکبوت:۴۵) (نماز قائم کرو، بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے باز رکھتی ہے)۔ نماز مسلمان کی اعلی اخلاقی تربیت کرتی ہے۔ وہ دن رات طہارت ونظافت کا خیال رکھتا ہے، پھر اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوکر فریاد کرتا ہے اور اپنے پیچھے دنیا کی تمام رنگینیاں صرف اس لئے چھوڑ دیتا ہے تاکہ توشۂ آخرت اکٹھا کرے، پھر جب وہ دنیا کی طرف لوٹتا ہے تو اس کی غلاظتوں میں غوطہ زن نہیں ہوجاتا بلکہ اسے آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے، اس کی پاکیزہ چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے تاکہ بہتر طریقہ سے اپنے رب کی عبادت کرسکے۔ وہ دنیوی عیش وآرام پاکر خوشی سے پاگل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے چھن جانے پر جزع فزع کرتا ہے۔

۲-نماز انسان کو اچھی خصلتوں کا عادی بناتی ہے اور بری عادتوں سے نجات دلاتی ہے۔ وہ مسلمان مرد وعورت کو وقت کا پابند بناتی ہے، ایک سچا مسلم ہر نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے اور اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہر نماز وقت پر ادا کرے۔ پھر جہاں یہ ایک مسلمان کو پابندیٔ وقت اور اپنے واجبات کی ادائیگی میں عدم تاخیر کا پابند بناتی ہے، وہیں اسے

ضبط نفس کا بھی عادی بناتی ہے، وہ نماز میں نہ تو بات کرسکتا ہے اور نہ حرکت کرسکتا ہے ورنہ اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: ''نماز نفس کا قید خانہ ہے اور روزہ کے ذریعہ شہوت کو قابو میں کیا جاتا ہے، لیکن ایک دو شہوتوں سے روک دینا اور تمام شہوتوں اور خواہشات سے باز رکھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ روزہ دار کو اگر عورت اور کھانے پینے کی خواہشات سے روک دیا جاتا ہے تو دوسری طرف اس کے لئے دیگر خواہشات کی تکمیل کے راستے کھلے ہوتے ہیں، وہ بات چیت کرسکتا ہے، چل پھر سکتا ہے، ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے اور لوگوں سے مل جل سکتا ہے، ان خواہشات کی تکمیل کے ذریعہ اس کی ممنوعہ خواہشات سے تسلی ہوجاتی ہے، مگر نماز پڑھنے والے شخص کے لئے ان تمام چیزوں پر پابندی ہوتی ہے، اس کے تمام اعضاء وجوارح قید میں ہوتے ہیں اور وہ اپنی کسی خواہش کی تکمیل نہیں کرسکتا'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی)۔

بیشتر مصیبتیں جن میں لوگ گرفتار ہوتے ہیں، زبان ہی کی وجہ سے آتی ہیں، اسی لئے نبی ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا: ''جو چیز لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں گرانے کا سبب بنے گی وہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں ہوں گی'' (سنن ابن ماجۃ کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ)۔ نماز ایک مسلمان کو اپنی زبان پر قابو پانے کا ہنر سکھاتی ہے، کیونکہ نماز کے دوران اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اذکار صلوٰۃ کے علاوہ کوئی بات زبان سے نہ نکالے، دن رات کی اس مسلسل مشق کے ذریعہ اس میں یہ خوبی پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ زبان سے صرف اچھی ہی بات نکالتا ہے۔ امام مسلم حضرت معاویہ بن حکم السلمی کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کررہا تھا کہ ایک شخص کو چھینک آگئی، میں نے "**یرحمک اللہ**" کہہ دیا، اس پر لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا: لعنت ہو، تم مجھے ایسے کیوں گھور رہے ہو؟ اس پر انھوں نے اپنے سر پیٹ لئے۔ جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ——میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور

آپ ﷺ کے بعد آپ سے اچھا کوئی معلم نہیں دیکھا ـــــ نہ تو آپ ﷺ نے مجھے جھڑکا، نہ مارا اور نہ ہی برا بھلا کہا، بلکہ فرمایا: ''نماز میں لوگوں کا بات کرنا درست نہیں ہے، یہ تو تسبیح وتکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے'' (صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ باب تحریم الکلام فی الصلوۃ)۔

۳- نماز مرد مومن کو اس بات کا حریص بناتی ہے کہ وہ دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کرے اور ایک انسان ہونے کے ناطے ان کی رعایت کرے، وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت تک سخت رویہ اختیار نہ کیا جائے جب تک وہ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکل جائے، نماز کے وہ حصے جو اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں درج ذیل ہیں:

الف- اگر کسی شخص کو بھوک کا احساس ستا رہا ہو اور نماز کا وقت بھی ہو چکا ہو تو وہ نماز میں مشغول ہو کر بھوک کی شدت وتکلیف برداشت نہ کرے، بلکہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر رات کا کھانا حاضر ہو اور نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالو'' (صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ باب کراہۃ الصلوۃ بحضرۃ الطعام)۔

ب- اگر ظہر یا جمعہ کی نماز میں لوگ شدید گرمی سے پریشانی محسوس کریں، تو سنت یہ ہے کہ نماز اس وقت تک مؤخر کر دی جائے جب تک گرمی کی شدت کم نہ ہو جائے، مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی شدت اختیار کر لے تو نماز مؤخر کر دو، کیونکہ گرمی کی شدت کا تعلق جہنم کے سانس لینے سے ہے'' (صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ باب استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر)۔

ج- اگر کوئی شخص لوگوں کی امامت کر رہا ہو تو اسے بقدر امکان ہلکی نماز پڑھانی چاہیے، تاکہ لوگ نماز سے راہ فرار نہ اختیار کرنے لگیں۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابومسعود انصاریؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول ﷺ کے پاس

آیا اور کہنے لگا: ”میں فجر کی نماز تاخیر سے ادا کرتا ہوں، کیونکہ فلاں شخص بڑی لمبی نماز پڑھاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اتنے غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم میں سے کچھ افراد لوگوں کو نماز سے دور کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ تم میں سے جو بھی لوگوں کی امامت کرے وہ مختصر نماز پڑھائے، کیونکہ اس کے پیچھے بڑے بوڑھے اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں“ (صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب من شکا امامہ اذا طول (۷۰۴)، صحیح مسلم: کتاب الصلاۃ، باب أمر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام)۔

ان تمام ہدایات میں ایک اہم عملی سبق پوشیدہ ہے کہ ہمیں لوگوں کے احساسات وجذبات اور ان کے احوال وظروف کا خیال رکھنا چاہیے اور ان کے لئے مشقت کا سبب نہیں بننا چاہیے، اسی لئے نبی ﷺ نے نماز کے دوران ہمیں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ کس طرح ہمیں دوسروں کے جذبات کا احساس ہونا چاہیے، چنانچہ امام بخاریؒ حضرت ابوقتادہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھاؤں، تبھی میرے کانوں میں بچے کے رونے کی آواز آتی ہے اور میں نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں یہ اس کی ماں کو گراں نہ گزرے“ (صحیح بخاری: کتاب الاذان، باب من أخف الصلاۃ عند بکاء الصبی)۔

۴-نماز کے آغاز سے ایک مسلمان کو لوگوں میں اپنے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے مسلمانوں کی صفوں میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، وہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کی تقلید کی جاتی ہے، وہ ایک اسوہ ہے جس کے نقش پا پر چلنا لوگ پسند کرتے ہیں اور وہ دنیا میں ایک نمایاں مقام پر فائز ہے۔ جب دور اول کے مسلمانوں نے ہر نماز کے اس آغاز کو سمجھ لیا تو نتیجتًا وہ شہادت علی الناس کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے شام، عراق اور

مصر کی طرف پیش قدمی کی، پھر انھوں نے مشرق کا رخ کیا اور ہندوستان اور سندھ تک پہنچ گئے، جب مغرب کی طرف متوجہ ہوئے تو مغرب عربی تک جا پہنچے اور پھر یہ مسلم فاتح مشرقی سمت سے ایشیاء، قسطنطنیہ اور یورپی ممالک کو روندتے ہوئے فاتح اندلس سے جا ملے، اس طرح خشکی اور تری کے ایک بڑے حصہ پر اسلام کی حاکمیت قائم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگیا۔

۵- ایک مسلمان جو روزانہ کم از کم سترہ مرتبہ سورۂ فاتحہ ضرور پڑھتا ہے، فضیلت اور برتری کے صحیح مستحقین سے واقف ہوجاتا ہے کہ درحقیقت سب سے بڑھ کر صاحب فضل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور جن لوگوں کا ہم پر حق ہے، ہم شکر گذاری کے جذبے کے ساتھ اسے ادا کرتے ہیں، کیونکہ جو لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ خدا کا شکر گذار نہیں ہوسکتا، اس طرح سے ایک مسلم شخص اللہ کی رحمت سے مایوسی کی قید و بند سے نجات پاکر اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر رحمت کی کشادہ فضا میں آ کھڑا ہوتا ہے اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہوتا ہے: **"الرحمن الرحیم"** (وہ نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے)۔ وہ ہمیشہ آخرت کو مدنظر رکھ کر کام کرتا ہے اور کبھی اس سے غافل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ہمیشگی کا گھر ہے، یا تو دائمی نعمتیں یا پھر رسوا کن عذاب، اور اس کے لئے اپنی عبادت، توکل اور استعانت میں ایک حد سے آگے بڑھنا ممکن نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کے بغیر اس کا حصول ناممکن ہے۔ وہ ہمیشہ یہود ونصاریٰ سے بالکل الگ تھلگ اور ممتاز ہوتا ہے اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے کوشاں ہوتا ہے جن پر اللہ نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں، وہ ہر ایک کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے، یعنی مومنوں سے محبت اور باہمی رحمت کا معاملہ اور ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ اسلامی ہدایات کے مطابق نہ تو مداہنت برتتا ہے اور نہ ظلم وستم کا رویہ اپناتا ہے۔

۶- ایک مسلمان جو نماز کی حالت میں اپنے رب کے سامنے جھکتا اور سجدہ ریز ہوتا ہے، وہ تمام ظالموں اور جابروں کے آگے جھکنے سے انکار کردیتا ہے۔ وہ خوددار ہوتا ہے، خدا کی

راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا، اسے مال ودولت کے ذریعہ قابو میں نہیں کیا جاسکتا، وہ سرداران قوم کے آگے سر نہیں جھکاتا اور نہ ہی اپنے دین میں کسی عیب کو داخل ہوتے دیکھ سکتا ہے۔ وہ فطری عزت وکرامت کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ہر سجدے کے ذریعہ خدائے بلند وبرتر اور قوی وقدیر سے قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اس طرح وہ قوت کے اسباب کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں اسے جابروں کی طاقت اور ظالموں کا ظلم انتہائی حقیر نظر آتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس کے نفس نے ذلت کو خوشی خوشی بلا ناگواری کے قبول کرلیا، وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ شیخ غزالی فرماتے ہیں: ''عزت وخودداری اور کرامت وہ نمایاں خصلتیں ہیں جن کی اسلام دعوت دیتا ہے، وہ معاشرہ میں ان خصلتوں کی تخم ریزی اور ان کی نشو ونما میں اپنی عطا کردہ عقائد اور تعلیمات سے مدد لیتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے: میں ایسے شخص کو پسند کرتا ہوں کہ اگر اس پر کسی معاملہ میں ظلم کا برتاؤ کیا جائے تو وہ پوری شدت سے ''نہیں'' کا اعلان کردے، آخر مؤذن ہر روز پانچ مرتبہ کس چیز کی صدا لگاتا ہے؟ وہ اذان کے آغاز اور اختتام پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کررہا ہوتا ہے، تکبیر بار بار کیوں دہرائی جاتی ہے حتی کہ نماز کے سارے افعال قیام وقعود اس سے مربوط ہیں؟ یہ اس وجہ سے ہے تاکہ ہر مسلمان اس بات کا پختہ یقین کرلے اور اس یقین سے ذرہ برابر بھی ہلنا اور ہٹنا گوارا نہ کرے کہ اللہ کے بعد ہر متکبر کمتر اور حقیر ہے، گویا یہ صدا اس بات کی ضامن ہوتی ہے کہ جب جب دنیا لوگوں کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرے اور اس کی قیامت خیز گمراہیاں انہیں بھٹکانے لگیں تو وہ راہ راست کی طرف لوٹ آئیں۔ اسی کی تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ میں عظیم اور اعلیٰ کا انتخاب کیا ہے، تاکہ ایک مسلم رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے انہیں باربار دہرائے اور اس کی روح اس حقیقت سے سیراب ہو کہ صرف خدا ہی کی ذات عظمت اور بلندی کی حامل ہے (خلق المسلم، شیخ محمد غزالی (۲۰۵-۲۰۶))۔

۷-ایک مسلمان نماز سے سکینت اور وقار کا درس لیتا ہے، نماز کی غیر معمولی اہمیت کے باوجود اس کے لئے تیزی اور جلد بازی میں گھر سے نکلنا اور راستے پر دوڑتے ہوئے جانا درست نہیں ہے کہ اس سے ایک شخص اپنی مردانگی اور وقار کھو دیتا ہے، ظاہر ہے کہ نماز کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے اس طرح دوڑ بھاگ کرنا بدرجہ اولی درست نہیں ہوگا۔ ایک مسلمان تمام امور انتہائی پرسکون ہوکر، ٹھنڈے دل سے انجام دیتا ہے، اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ جو چیز اسے حاصل ہوگئی وہ اسے بہر حال مل کر رہنی تھی اور جو چیز حاصل نہ ہو سکی وہ ہاتھ آنے والی نہیں تھی، یہ عملی سبق ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے جسے بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اقامت کی آواز سنو تو نماز کے لئے چل پڑو اور سنجیدگی اور وقار کے ساتھ آؤ، جلد بازی اور دوڑ بھاگ نہ کرو، جتنی نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اسے بعد میں مکمل کرلو'' (صحیح بخاری؛ کتاب الاذان؛ باب من یمشی إلی الصلاۃ ولیأت بالسکینۃ والوقار (۶۳۶))۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث مرد مومن کے لئے ایک راہ عمل متعین کرتی ہیں، خواہ مسجد جانے کا مسئلہ ہو یا کوئی اور معاملہ، اس کا طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہ اسے جو مل جائے وہ لے لے اور جو چھوٹ جائے بعد میں اس کی تکمیل کرلے۔

۸-نماز سے مسلم مرد وعورت یہ سبق سیکھتے ہیں کہ واجبات کو اول وقت میں ادا کرنا چاہیے اور متعینہ وقت سے مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے وہ اسے اول وقت میں ادا نہیں کر سکے تو محض وقت نکل جانے کی وجہ سے اس واجب سے دست بردار نہیں ہو جاتے۔ یہ سبق وہ اس اصول سے سیکھتے ہیں کہ جب کوئی واجب چھوٹ جائے تو جب بھی ممکن ہو اسے پہلی فرصت میں قضا کرنا چاہیے۔ امام مسلم حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر سے واپسی میں ایک جگہ رات گزارنے کی غرض سے قیام فرمایا۔ سب لوگ سو گئے اور آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو فجر کا انتظار کرنے کا حکم دیا، حضرت بلالؓ نماز پڑھتے رہے،

یہاں تک کہ ان پر نیند کا غلبہ ہوگیا اور وہ اپنی سواری پر ٹیک لگا کر سو گئے۔ فجر کے وقت نہ تو آپ ﷺ کی آنکھ کھلی، نہ ہی صحابہ کرامؓ کی اور نہ ہی حضرت بلالؓ جاگ سکے، یہاں تک کہ سورج کی کرنیں ان کے چہروں سے ٹکرائیں، نبی کریم ﷺ سب سے پہلے بیدار ہوئے، آپ ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور فرمایا: یہ کیا ہوا بلال؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا: اے اللہ رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، مجھے بھی نیند آگئی، جیسا کہ آپ ﷺ کو آگئی۔ نبی ﷺ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا، لوگوں نے سواریاں تھوڑی آگے بڑھائیں، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور حضرت بلالؓ کو اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''جو نماز ادا کرنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ یاد آتے ہی پڑھ لے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "واقم الصلوٰۃ لذکری" (طہٰ: ۱۴) (اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو)'' (صحیح مسلم: کتاب المساجد، باب قضاء الفائتۃ واستحباب تعجیلہ)۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کس مدت تک انسان چھوٹے ہوئے واجبات کو ادا کرسکتا ہے۔ یہاں ایک اور بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اول وقت میں فریضہ کی ادائیگی نہ ہوسکنے کے سبب نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کس طرح خوف زدہ ہوگئے تھے، پھر نبی کریم ﷺ اس جگہ سے نکل گئے جہاں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی نماز چھوٹ گئی تھی، کیونکہ وہ شیطان کی وادی تھی، پھر آپ ﷺ نے وضو کیا اور نماز پڑھی، اس سے ایک مسلمان کو یہ سبق ملتا ہے کہ اگر واجب کی ادائیگی اس کے ذمہ ہو تو اسے اول وقت میں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اگر ممکن نہ ہو تو جب بھی موقع ملے پہلی فرصت میں اس کی ادائیگی سے فارغ ہوجانا چاہئے۔

اگر ایک مسلمان کو کسی اہم کام کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو جلد از جلد اسے انجام دینا چاہیے اور معاملات کو محض احتمالات کے سہارے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس مفہوم کی طرف اس

حدیث سے اشارہ ملتا ہے جو امام مسلمؒ نے جابر بن عبداللہؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو خدشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا، تو اسے چاہئے کہ اول شب میں نماز وتر ادا کرے، اور جو شخص رات کے آخری حصہ میں قیام کا خواہش مند ہو تو جان لے کہ رات کی نماز نہایت اہم ہے اور یہی افضل ہے''۔

اس طرح سے ایک مسلمان صحیح منہج سے واقف ہوتا ہے، وہ خیر کے کاموں میں جلدی کرتا ہے اور اول وقت میں ان کی انجام دہی کا خواہش مند ہوتا ہے، وہ کسی کام کو مؤخر نہیں کرتا الا یہ کہ تاخیر اسی عمل کے حق میں ہو، لیکن اگر اسے اس میں شک ہوتا ہے کہ آیا وہ اسے بعد میں کر سکے گا یا نہیں، تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ جلد از جلد اس کی انجام دہی سے فارغ ہو جائے۔

۹- نماز اجتماعی تربیت میں معاون ہوتی ہے۔ ایک مسلمان اپنے بھائیوں کو مسجد میں محبت کے ساتھ باہم ملتے جلتے دیکھتا ہے، یہ ملاقات ہر قسم کی بڑائی، فخر و غرور اور گھمنڈ سے خالی ہوتی ہے، بلکہ وہ جماعت میں، علم کے حلقوں میں اور مجالس ذکر میں بچپن ہی سے مسلمانوں کو ایک صف میں دیکھتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ وہ گہری محبت میں ڈوب کر ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں، وہ نماز میں اور نماز کے بعد ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ چیزیں اجتماعی اخلاقی تربیت کی اہم بنیادیں ہیں جو سلبیت اور انفرادیت جیسے منفی رجحانات کا خاتمہ کر دیتی ہیں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے امراض، مثلاً لوگوں سے خوف، ان سے کینہ، ان سے ملنے جلنے کو ناپسند کرنا اور ان سے بات چیت کرنے میں جھجک وغیرہ سے محفوظ رکھتی ہیں۔

تیسری فصل:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر زکوۃ کا تربیتی اثر

زکوۃ اپنے مال میں سے کچھ حصہ نکال کر مستحق افراد تک پہنچانے کا نام ہے۔مال روح کا ایک حصہ ہے اور نفس اس کی محبت میں گرفتار اور اسے سینت کر رکھنے کا رسیا،لیکن اسے خرچ کرنا ایک مسلمان کی اخلاقی اصلاح میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔انسان کے اخلاقی پہلو پر اس کے درج ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

۱۔زکوۃ نفس کو انتہائی خطرناک اور بدترین مرض سے محفوظ رکھتی ہے، یہ بخل کا مرض ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"ومن یوق شح نفسه فأولئک هم المفلحون" (التغابن:۱۶) (جنھیں نفس کے بخل سے محفوظ رکھا گیا وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں)۔بخل جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب اور مخلوق کی دشمنی کا شکار بناتا ہے، زکوۃ وصدقات کے ذریعہ اس کا جڑ سے علاج ہوتا ہے، کیونکہ زکوۃ انسان کو مال خرچ کرنے کا عادی بنا دیتی ہے، خواہ زبردستی ہی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے انفاق پر مجبور رہتا ہے۔پھر ایک وقت آتا ہے جب نفس سے جہاد کرتے کرتے اسے قابو میں کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور اس کی لگام نرم ہو جاتی ہے، اس کے بعد وہ خرچ کرنے میں پیچھے نہیں ہٹتا اور سخاوت کے مواقع پر ہاتھ نہیں روکتا، اس سلسلہ میں قرآنی آیات بھی اس کی تحریک کا سبب بنتی ہیں جن میں انفاق اور خرچ کا ذکر زکوۃ وصدقات کے مفہوم میں ۱۳۶ بار کیا گیا ہے، اس میں سے ۳۳ مقامات پر بلا واسطہ طور پر انفاق کا حکم دیا گیا ہے اور بقیہ مقامات پر اس کی ترغیب دلائی گئی ہے (سلطۃ ولی الامر فی فرض وظائف

مالیۃ بالصلاح الدین سلطان: ۱۸۰-۱۸۳، اس کتاب میں سارے اعداد وشمار ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں)۔ یہ اتنی ساری آیات ایک مسلمان کو بخل کی بیماری سے نکالنے میں معاون ہوتی ہیں، ثواب کی خواہش اور مال جمع کر کے رکھنے کی صورت میں اللہ کے غضب کا شکار ہونے سے بچنے کے لئے وہ خوشی خوشی فراخ دلی سے مال خرچ کرنے کا عادی ہوجاتا ہے۔

۲- ایک طرف زکوٰۃ مالدار شخص کے بخل کی بیماری کا علاج کرتی ہے، تو دوسری طرف اس تنگدست شخص میں موجود کینہ اور حسد کی بیماری کو بھی دور کرتی ہے، جو مالداروں کے مال میں حق دار ہوتا ہے۔ یہ بیماری جو اپنے شکار کو ایسا بنادیتی ہے کہ وہ ہر مالدار شخص کو غصہ بھری نظروں سے دیکھتا ہے، اس کی نگاہوں میں حسد ہوتا ہے کہ اللہ نے اس امیر کو تو خوب نوازا ہے اور اسے محروم رکھا ہے، اس کی آنکھوں میں ناگواری ہوتی ہے کہ اس مال کا کچھ حصہ اسے کیوں نہیں مل جاتا جس سے وہ اپنی حالت درست کر سکے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا سکے، اپنے نحیف ولاغر اور پژمردہ جسم کو زندگی عطا کر سکے اور اپنے بچوں کے لئے دووقت کی روٹی کا انتظام کر سکے، اگر کینہ اور حسد کا یہ مرض مسلم معاشرہ میں یا کسی بھی معاشرہ میں پھیل جائے تو اسے برباد کر کے چھوڑتا ہے، یہ فقیر اس حال میں جیتا ہے کہ اس کے سینے میں نفرت کی شدید آگ بھڑک رہی ہوتی ہے جو بسا اوقات اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے اور اس کو برے اخلاق کا حامل بنادیتی ہے۔ اس کے برعکس اس کے اوپر خرچ کرنا اور اس کے ساتھ شفقت ومحبت کا سلوک کرنا اس کے اندر محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور اس میں سلامتی صدر کو وجود بخشتا ہے، اس کے دل سے بغض وعداوت کے جذبات کو ختم کر دیتا ہے اور جب اللہ اسے مال ودولت سے نوازتا ہے تو وہ بھی حاجت مندوں پر مال خرچ کرتا ہے، کیونکہ اس پر بخشش کے نتیجے میں اس کے اندر خود سے زیادہ دوسروں کا احساس پیدا ہوتا ہے، یہی وہ پرامن بقاء باہم ہے جس کے متعلق بوسنیا کے سابق صدر علی عزت بیگوویچ نے کہا تھا: ”اسلام کا مقصد امیروں کے خلاف فیصلے عائد کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کے فیصلے

ہمیشہ فقر اور تنگدستی کے خلاف ہوتے ہیں'' (الاسلام بین المشرق والمغرب: علی عزت بیگو بیچ/ ۱۹۷)۔

۳- زکوۃ ایک مسلمان کو عفت اور خودداری کا سبق دیتی ہے، امام مالکؒ اور امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص ایک رسی لے کر اس کی مدد سے اپنی پیٹھ پر لکڑیاں ڈھوئے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے، وہ اسے دے یا نہ دے'' (صحیح بخاری: کتاب الزکوۃ باب الاستعفاف عن السؤال (۱۴۷۰))۔ امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ دولوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے صدقہ کے لئے دست سوال دراز کیا، آپ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ دونوں طاقتور لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں دے دوں تو جان لو کہ اس میں نہ مالدار شخص کا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی اس طاقتور شخص کا جو کما سکتا ہو'' (سنن دارقطنی: کتاب الزکوۃ باب لاتحل الصدقۃ لغنی ۲/ ۱۱۹، المسند ۴/ ۲۲۴)۔

یہ نصوص ایک مسلمان کو اس صفت سے آراستہ کرتی ہیں کہ وہ اموالِ زکوۃ سے دور رہے، اس کے نتیجہ میں وہ صدقہ وزکوۃ کی لالچ میں مبتلا نہیں ہوتا، بلکہ ہر اس جائز عمل کے دروازے پر دستک دیتا ہے جو انسان کو دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے، اس کے بدلے وہ محنت ومشقت کرتا ہے تاکہ خود نفع حاصل کر کے خرچ کر سکے اور اس کا ہاتھ دینے والے ہاتھ کی حیثیت سے بلندر ہے، جو دوسخا کا طالب بن کر نیچے نہ رہے۔

۴- زکوۃ ایک مسلمان کو جود وسخا، فضل وبخشش اور قربانی جیسے بلند اخلاق سے آراستہ کرتی ہے، وہ جب کسی فقیر محتاج کو دیکھتا ہے تو اپنی آنکھیں نہیں پھیر لیتا اور نہ ہی اس خیال سے پریشان ہوتا ہے کہ اسے اس کا حق دینا پڑے گا اور اس سے اس کے مال ودولت میں کمی آجائے گی، بلکہ اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس مال کی بھرپائی اور اس میں اضافہ کا

وعدہ کیا ہے: "وما أنفقتم من شئ فهو يخلفه وهو خير الرازقين" (سبا۳۹)(تم جو چیز بھی خرچ کروگے وہ اسے پورا کرے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے)۔ یہ یقین اس کی سخاوت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، اس کی فضل و بخشش کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور یہ پختہ یقین اور امید اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرمائے گا اور اس کے ذریعہ خرچ کیے ہوئے مال کو دوچند کردے گا، اس طرح وہ انفاق کی عادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نہایت سخی تھے، جب ان سے اس بے مثال سخاوت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خصلت کا عادی بنایا ہے اور میں نے اللہ کو ایک خصلت کا عادی بنایا ہے۔ چنانچہ میں اپنی عادت سے اس لئے باز نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت سے دستبردار ہوجائے گا''۔ ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں کشادگی عطا فرمائی ہے اور اسی چیز نے انھیں کثرتِ انفاق کا عادی بنادیا ہے۔ لہٰذا وہ انفاق کو ترک نہیں کرتے کہ کہیں اللہ تعالیٰ رزق کی کشادگی میں بھی کمی نہ کردے۔

۵- زکوٰۃ ایک مسلمان کے اندر دوسروں کی محبت اور ان کی ضروریات کا احساس پیدا کرتی ہے، یہ اجتماعی تربیت کی نشو ونما کرتی ہے اور اس کے ذریعہ دوسروں کو جاننے، ان کے حالات سے واقف ہونے، ان کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے اور ان کی کفالت کی کوشش کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن ہماری توجہ لوگوں کی ضروریات کے ادراک کی اہمیت کی طرف مبذول کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس میں ظاہری صورت اور عفت کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بعض فقراء ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے: ''**يحسبهم الجاهل أغنياء من التعفف تعرفهم بسيماهم لا يسألون الناس إلحافاً**'' (البقرۃ:۲۷۳) (ناواقف شخص ان کی نہ مانگنے کی عادت کی وجہ سے انھیں مالدار سمجھتا ہے، تم انھیں ان کی نشانیوں سے پہچان لوگے، وہ لوگوں سے باصرار نہیں مانگتے)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''کبھی کبھی کوئی

شخص درہم و دینار کمانے کے لحاظ سے تو امیر ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اپنے ضعف اور کثرت عیال کی وجہ سے وہ تنگدست ہوتا ہے'' (فتح الباری ۴؍۳۰۷)۔ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے تجسس میں رہا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کی ضرورتوں کو محسوس کیا جائے اور انھیں ان کا حق دیا جائے، تاکہ وہ وقت نہ آئے جب فقر و تنگدستی انھیں تنگی و پریشانی میں مبتلا کر دے اور انھیں ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہونا پڑے۔

چوتھی فصل:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر روزہ کا تربیتی اثر

اخلاق کو سنوارنے اور نفس کو بھلے کاموں پر آمادہ کرنے میں روزہ اہم رول ادا کرتا ہے، یہ درج ذیل پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے:

۱- روزہ کا مطلب مکلّف کا نیت کے ساتھ کھانے، پینے، جماع، منی کے اخراج اور قے کرنے سے فجر کے وقت سے غروب شمس تک رک جانا ہے۔ اس بندش میں وہ تمام منہ زور خواہشات شامل ہیں جو نفس کو رسوائی اور رذالت کے گڑھے میں گرانے کا سبب بنتی ہیں۔ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''روزہ کا مقصود نفس کو خواہشات سے باز رکھنا اور مرغوبات کو ترک کردینا ہے، اس کا مقصد نفس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا کرنا ہے تا کہ وہ اس چیز کے حصول کے لئے تیار ہو سکے جس میں اس کی خوشیاں اور نعمتیں پوشیدہ ہیں اور ایسی چیز کو قبول کر سکے جس سے وہ امور نشو ونما پاتے ہیں جن میں اس کی ابدی حیات ہے۔ بھوک اور پیاس اس کی شدت اور تیزی کو ختم کردیتے ہیں اور اسے مسکینوں کی فاقہ کشی کا احساس ہوتا ہے، یہ کھانے اور پینے کے راستوں پر بندش لگا کر شیطان کی اس گزرگاہ کو بند کردیتا ہے جس سے وہ انسان میں دراندازی کرتا ہے۔ یہ فطری حکمتوں کے مدنظر اعضاء کی قوتوں کو ان کی آزادی ختم کر کے قید کردیتا ہے، کہ انھیں حکمتوں میں اس کی دنیا وآخرت کے فوائد پوشیدہ ہیں۔ اس سے ہر عضو سکون پاتا ہے، ہر قوت اپنی سرکشی سے باز آجاتی ہے اور اس کے قابو میں آجاتی ہے، یہ پرہیزگاروں کے لئے لگام ہے، مجاہدوں کے لئے ڈھال اور نیک اور مقرب بندوں کے لئے ریاضت کی مانند ہے۔ یہ نفس کی مرغوبات اور

لذتوں کو خدا کی خوشنودی اور محبت کے لئے قربان کر دینے کا نام ہے۔ظاہری اعضاء اور باطنی قوتوں کی حفاظت میں اس کی ایک عجیب وغریب تاثیر ہے۔یہ باطنی قوتوں کو اس بگاڑ سے محفوظ رکھتا ہے جو اس میں فساد کے بیج بو دیتا ہے، اور اگر یہ بگاڑ اس پر غالب آ گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑتا ہے" (زادالمعاد ۱/۲۱۱)۔

۲- روزہ مسلم مرد وعورت اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار کی طرح حائل ہو جاتا ہے۔جب اس کے ذریعہ ایک مسلمان اپنے نفس پر اس قدر قابو پالیتا ہے کہ وہ ایک معین وقت میں نیت، پختہ عزم اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ فی نفسہ حلال چیزوں سے اس کو روک سکتا ہے،تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر وقت اس بات پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے کہ اسے حرام سے باز رکھ سکے۔درحقیقت انسان کا حرام پر برقرار رہنا، اس کی خواہشات کے مستحکم ہونے، اس کے نفس کے کمزور ہونے اور اس کی شہوتوں کے منہ زور ہونے کا نتیجہ ہے اور روزہ ان تمام سے جنگ کرتا ہے، اور پھر یہ عمل پورے سال نفلی روزوں کے ذریعہ دہرایا جاتا ہے۔

۳- اسی وجہ سے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "جس شخص نے جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پیا چھوڑ دے" (صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم (۱۹۰۳))۔ نبی کریم ﷺ نے ایک اور حدیث میں نشاندہی کی ہے کہ کس طرح روزہ مسلمانوں کے اخلاق کو سنوارنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ابن ماجہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو فحش گوئی اور جہالت کی باتوں سے پرہیز کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں" (صحیح بخاری: کتاب الصوم: باب فضل الصوم (۱۸۹۴)، الجامع الصحیح للإمام الربیع بن حبیب (۳۳۰))۔

مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں روزہ سے ہوں اس لئے یہ مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں غصے

میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہوجاؤں، میری زبان بے ہودہ گوئی پر اتر آئے، میری آواز بلند ہوجائے اور میں بری باتیں کہنے لگوں، بلکہ روزہ تو انسان کے نفس کو اس آزادی سے باز رکھتا ہے جو جہالت پر مبنی ہو، یہ بھوک پیاس اور جنسی خواہشات کو آزاد نہیں چھوڑتا، اس طرح یہ نفس کو سنوارنے کے اہم ترین وسائل میں سے ہے۔

۴- روزہ انسان کو عادتوں کی غلامی سے نجات دلاتا ہے۔ جو شخص صبح میں جلدی یا کچھ تاخیر سے ناشتہ کرنے کا عادی ہوتا ہے اور ظہر کے بعد کم یا زیادہ کھانا اس کی عادت میں شامل ہے، وہ چائے، قہوہ اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے استعمال کا عادی ہے، یہاں تک کہ وہ سمجھتا ہے کہ ان عادتوں سے پیچھا چھڑانا اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ رمضان کے یا نفلی روزے انسان کو انہی عادتوں کی غلامی سے نجات دلاتے ہیں اور اسے آزادی بخش کر اس کی تکریم کا ذریعہ بنتے ہیں۔ روزہ کے بعد وہ ایسا شخص باقی نہیں رہتا جو کھانے اور پینے کا ایسا رسیا ہو کہ اس شوق نے اس کی صلاحیتوں کو جکڑ رکھا ہو اور اس کے حواس پر دن ورات سوار ہو، بلکہ اب وہ ایسا شخص ہے جو اپنے ناشتہ کے وقت کو تبدیل کرنے پر قادر ہے اور اسے فجر سے قبل سحری کی شکل میں کھا سکتا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ پورے دن کھانے پینے کی خواہشات کو قابو میں رکھے تاکہ وہ یہ سب مغرب بعد کھا سکے، اس کے ذریعہ ایک مسلمان ہر چیز کی بندگی اور غلامی سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کی بندگی میں آجاتا ہے۔

۵- روزہ مسلم مرد وعورت کو بخل کی بیماری سے نجات دلاتا ہے، بخل درحقیقت ایک ایسا لاعلاج مرض ہے جو بالآخر انسان کو ہلاک کردیتا ہے۔ امام مسلمؒ جابر بن عبداللہؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم روز قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے اور بخل سے بچو، کیونکہ بخل ہی نے تم سے پہلے کے لوگوں کو ہلاک کردیا، اس نے انھیں ترغیب دی کہ وہ ایک دوسرے کا خون بہائیں اور محرمات کو حلال کرلیں'' (صحیح مسلم: کتاب البر،باب

تحریم الظلم)۔ امام احمدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں خائن و دغاباز، بخیل اور احسان جتانے والے لوگ داخل نہ ہوں گے''۔ طبرانی نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو وجود بخشا، اس میں پھل لگا دیئے اور نہریں جاری کر دیں، تو اس کی طرف دیکھ کر کہا: ''مجھ سے بات کرو''۔ اس نے کہا: ''مومن کامیاب ہوگئے''، ''اللہ جل شانہ نے فرمایا: ''میری عزت اور جلال کی قسم کوئی بخیل تجھ میں داخل ہو کر میرا پڑوسی نہ بن سکے گا''۔ سخی اللہ سے قریب اور جنت سے قریب ہوگا، وہ لوگوں سے قریب اور جہنم سے دور ہوگا، جبکہ بخیل اللہ سے دور اور جنت سے دور ہوگا، وہ لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہوگا، ایک جاہل سخی اللہ کو ایک عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے'' (سنن ترمذی: کتاب البر، باب ماجاء فی السخاء (۲۰۲۷))۔

روزہ اس لا علاج مرض کے علاج کے لئے متعدد وسائل اختیار کرتا ہے، یہ وسائل درج ذیل ہیں:

الف- مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ روزہ داروں کو افطار کرائیں، حضرت سلمانؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس نے روزہ دار کو افطار کرایا تو اس کا یہ عمل گناہوں سے مغفرت اور جہنم کی قید سے نجات کا سبب بنے گا اور اسے بھی روزہ دار کے برابر اجر ملے گا، جبکہ اس روزہ دار کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر ایک کے پاس ایسی چیز نہیں ہوتی جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جس نے روزہ دار کو ایک کھجور سے افطار کرایا یا پانی کا ایک گھونٹ پلا دیا، یا پانی ملا ہوا دودھ ہی پیش کر دیا'' (الترغیب والترہیب للمنذری ۲/۶۷؛ انہوں نے اسے صحیح ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے)۔

اس معمولی انفاق پر اتنا زیادہ ثواب ہر مسلم کے دل میں انفاق اور جود وسخا کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اور اگر اس کا نفس بہت زیادہ انفاق پر آمادہ نہیں ہوتا تو کم خرچ کرتے کرتے بالآخر اس کے لئے زیادہ خرچ کرنا آسان ہوجاتا ہے، شاید کہ روح کی شفافیت جود وسخا جیسی عظیم صفت سے آراستہ ہونے کا ایک بڑا سبب ہے۔

ب- اس مہینے میں جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے اور آواز لگائی جاتی ہے کہ اے خیر کے طالب! آگے بڑھو اور اے شر پسند پیچھے ہٹ جاؤ، یہ چیز ایک مسلم کے لئے بخل کی بیماری کو زیر کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ وہ دل کھول کر خرچ کرتا ہے کیونکہ وہ جود وسخا کی راہ میں حائل ہونے والی چیزوں سے محفوظ ہوتا ہے۔

ج- نبی ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش بھی اس کار خیر کا محرک بنتی ہے، کیونکہ بخاری نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ مال خرچ کرنے والے تھے اور رمضان میں جب آپ ﷺ حضرت جبرئیل سے ملا کرتے تو اور بھی سخی ہوجاتے تھے، جب حضرت جبرئیل آپ ﷺ سے ملتے تو آپ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے" (صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان (۱۹۰۲))۔

د- رمضان میں نماز عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا رمضان کی اہم عبادت ہے جو بخل کی بیماری کا علاج کرتی ہے، کیونکہ وہ امیر اور غریب، بڑے اور چھوٹے، مرد اور عورت، آزاد اور غلام یہاں تک کہ اس چھوٹے بچے کے ولی پر بھی واجب ہے جو عید کی نماز سے قبل پیدا ہوا ہو (شرح النیل ۲۸۹/۳-۲۹۴)، اس سے لوگوں میں خرچ کرنے کا جذبہ عام ہوتا ہے۔ ابن ماجہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ

نے فرمایا: ''صدقۂ فطر لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مسکینوں کے کھانے کی غرض سے فرض کیا گیا ہے، تو جو اسے نماز سے پہلے ادا کردے گا وہ صدقۂ فطر شمار ہوگا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقات کی طرح ایک صدقہ سمجھا جائے گا''۔

امام احمد نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کے بارے میں فرمایا: ''اس کی مقدار ایک صاع گیہوں یا جو ہے، اور یہ گیہوں یا جو ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام، مرد اور عورت، امیر اور غریب پر واجب ہے، اس کے ذریعہ اللہ مالداروں کا تزکیہ فرمائے گا اور غریبوں کو اس سے زیادہ عطا کرے گا'' (الترغیب والترہیب للمنذری ۲/۱۰۰)۔ اس سے بڑھ کر اور کس عظمت کا تصور ممکن ہے کہ مالدار شخص فقیر کو نوازے اور فقیر فقیر پر خرچ کرے، اس طرح یہ فریضۂ زکوٰۃ امت مسلمہ کے ہر چھوٹے بڑے سے مربوط ہو۔ بلاشبہ یہ سخاوت کا عظیم الشان دروازہ ہے۔

۶- روزہ مسلمان کو عفت وپاکیزگی کا عادی بناتا ہے اور اسے نفس کے وسوسوں اور شہوت انگیزیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی لئے روزہ خواہشات کو ختم کرنے کے لئے مستحب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ ایک مسلمان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے جنسی خواہشات اپنا غلام نہیں بنا سکتیں، وہ محرمات کے پیچھے بھاگنے میں اپنا پسینہ نہیں بہاتا اور پاکباز عورتوں کی عزت سے کھلواڑ کر کے انھیں فاحشی اور رذالت کے دائرہ میں نہیں کھینچ لاتا، نہ ہی وہ اپنے نفس کی طرف مائل ہو کر استمناء کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے جو کہ اس کی شہوت سے مزاحمت کو کمزور کر دیتا ہے، اس کے نفس کی تکالیف میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور اسے خود اعتمادی سے محروم کر دیتا ہے۔

لہٰذا ایک حدیث میں ہے: ''اے نوجوانو! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو وہ شادی کر لے، کیونکہ یہ نگاہ کو پست رکھنے کا ذریعہ اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے کا وسیلہ ہے اور جو لوگ استطاعت نہیں رکھتے انھیں روزہ رکھنا چاہئے، کیونکہ روزہ ان کے لئے ڈھال ہے''۔ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح

میں لکھتے ہیں: ''روزہ کی اصل شہوت کو مغلوب کرنا ہے، چونکہ کھانے پینے کی زیادتی خواہشات کو بے لگام کردیتی ہے، اس لئے روزہ اس کے لئے ڈھال یعنی جنسی خواہشات کو مغلوب کرنے کا ذریعہ ہے، اسی حدیث سے استمناء کی حرمت پر بھی استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے شادی نہ کرسکنے والوں کو روزہ رکھنے کی ہدایت دی ہے، اگر استمناء جائز ہوتا تو اس کی ہدایت دینا آسان تھا'' (فتح الباری ۹/ ۱۴، ۱۴)۔

منی کا اخراج چونکہ مفسدات صوم میں سے ہے، لہٰذا اگر کوئی مرد یا عورت عمداً اس کا ارتکاب کرے تو گناہگار ہوگا اور اس کی قضاء کے لئے ساری عمر روزہ رکھنا بھی کافی نہیں ہوگا۔ اسی طرح اسلام نے روزہ کے ذریعہ شادی شدہ شخص کی خواہش جماع کی اصلاح کا بھی انتظام کیا ہے، تاکہ مرد اور عورت جنسی خواہشات کے غلام نہ بنے رہیں اور اس سے آزادی حاصل کریں، چنانچہ وہ پورے دن جماع نہیں کرسکتے، معتکف کے لئے بھی اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع کرلے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دو مہینہ لگاتار روزہ رکھ کر اپنی بیوی سے محروم رہنا پڑے گا، اور اگر اس کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس جرم کا کفارہ ہے کہ اس نے اس مبارک مہینہ کی حرمت کا خیال نہیں رکھا اور ایک طرح کا تاوان بھی کیونکہ وہ اپنی شہوت پر قابو نہیں پاسکا اور اپنے نفس کی لگام آزاد چھوڑ دی، یہ وسائل ان لوگوں کی روک ٹوک کے لئے نہایت کارگر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

۷- انسان کی باطنی عفت اس کی شرم گاہ سے متعلق ہے، اسی طرح اس کے زبان کی پاکیزگی اس کی ظاہری عفت کی علامت ہے۔ روزہ انسان کی زبان کی بیماریوں کا علاج کرتا ہے کیونکہ جس کی شرمگاہ محفوظ اور زبان پاک صاف ہوجائے نبی ﷺ نے اسے جنت کی ضمانت دی ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے ہماری توجہ اس طرف مرکوز کرائی ہے کہ جس نے جھوٹی باتیں

اور ان پر عمل ترک نہیں کیا، اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے، روزہ درحقیقت ان تمام اعضاء کا روزہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ رمضان میں اعتکاف کی سنتوں میں سے ایک اہم سنت یہ بھی ہے کہ آدمی جائز باتیں بھی کم سے کم کرے، یہ زبان کی برائیوں کی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ ہے، جو برائیاں لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں گرانے کا سبب بنیں گی۔ جب ایک شخص روزہ رکھتا ہے پھر اپنی زبان کی لگام آزادچھوڑ دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی عزت سے کھلواڑ کرے، جھوٹ بولے، کٹ حجتی اور جھگڑے سے باز نہ آئے، جھوٹی قسمیں کھائے اور اس طرح کی دیگر لایعنی باتوں میں مشغول رہے تو اس کے روزہ کی حیثیت فضاء میں پھیلے ہوئے منتشر غبار جیسی ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ ابوداؤد نے انس بن مالکؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک افطار نہ کرے جب تک میں اسے اجازت نہ دے دوں''۔ لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ شام ہوگئی، تو ایک ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آتا اور کہتا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں روزہ سے ہوں، مجھے اجازت دیجئے کہ افطار کرسکوں، نبی ﷺ اسی طرح لوگوں کو اجازت دیتے رہے، یہاں تک کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے گھر کی دولڑکیوں نے روزہ رکھا تھا، انہیں آپ کے پاس آکر اجازت لینے میں حیا محسوس ہوتی ہے، انھیں اجازت دے دیجئے کہ وہ افطار کرلیں۔ آپ ﷺ نے توجہ نہیں دی، اس نے پھر یہی بات کہی، آپ ﷺ نے پھر نظر انداز کردیا، اس نے پھر یہی بات دہرائی اور آپ ﷺ نے پھر نظر انداز کردیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں نے روزہ نہیں رکھا، اور وہ روزہ کیسے رکھ سکتی ہیں جبکہ وہ پورا دن لوگوں کے گوشت کھاتی رہیں، جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر وہ روزہ تھیں تو قے کریں، وہ آدمی ان کے پاس گیا اور ساری بات بتائی، ان دونوں نے یہ سن کر قے کیا اور دونوں کے منہ سے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے نکلے، وہ آدمی نبی ﷺ کے پاس

واپس گیا اور انھیں یہ بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر یہ ان کے پیٹ میں باقی رہ جاتا تو انھیں جہنم کی آگ کھا جاتی"۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک نے خون اور پیپ کی قے کی جس سے آدھا پیالہ بھر گیا اور دوسری نے خون، قے اور تازہ گوشت کی قے کی، یہاں تک کہ پورا پیالہ بھر گیا۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ان دونوں نے اس چیز کا روزہ رکھا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور اس چیز کا روزہ نہیں رکھ سکیں جسے اللہ نے ان پر حرام قرار دیا ہے، وہ آپس میں بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کرتی رہیں" (مسند ۴/۵۰۱)۔

"المستخلص فی تزکیة الأنفس" کے مصنف نے اس شخص کی نہایت عمدہ مثال بیان کی ہے جو حلال کا روزہ رکھتا ہے اور حرام کا ارتکاب کرتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی ایک محل تعمیر کرے اور پورا شہر برباد کردے، یا جو دوا کھانے سے تو پرہیز کرے اور مہلک زہر کھا جائے" (المستخلص فی تزکیة الانفس لسعید حوی / ۶۳)۔

۸- روزہ مسلمان مرد اور عورت کے اندر اسلام کی عظیم اخلاقی صفت "حیا" کی نشو ونما کرتا ہے۔ امام مالکؒ اور ابن ماجہ نے حضرت زید بن طلحہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر دین کی ایک امتیازی خصلت ہے، اس دین کی امتیازی صفت حیا ہے" (الموطا کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الحیا ۲/ ۹۰۵)۔ روزہ ان مخصوص عبادات میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا واقف نہیں ہوسکتا، لہٰذا ایک انسان چاہے تو تنہائی میں کھا پی سکتا ہے اور کوئی بھی کام کرسکتا ہے، لیکن ایک مسلمان اللہ تعالیٰ سے حد درجہ شرم کھاتا ہے اور جب یہ شرم اس کی عادت اور صفت بن جاتی ہے تو اس کے نہایت اچھے نتائج سامنے آتے ہیں۔

۹- روزہ ایک مسلمان کو وقت کی قدر و قیمت کے احترام کا عادی بناتا ہے اور اسے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے مربوط رکھتا ہے۔ اگر اس نے فجر کی اذان کے بعد جان بوجھ کر ایک لقمہ کھا لیا یا

ایک گھونٹ پانی بھی پی لیا تو گنا ہگار قرار پائے گا، اسی طرح اگر مغرب سے ذرا دیر پہلے ہی سہی جان بوجھ کر افطار کرلیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ گنا ہگار ٹھہرے گا۔ یہ چیز ایک مسلمان کو اس کے متعین کردہ اوقات کا پورا پورا لحاظ کرنے کا عادی بناتی ہے، وہ کسی چیز میں وقت سے پہلے جلدی نہیں مچاتا اور نہ ہی کسی کام میں تاخیر کرتا ہے، چنانچہ اگر وہ ایک ملازم یا مزدور ہے تو اپنے کام میں نہ صرف انتظامی وجوہات سے بلکہ اخلاقی بنا پر تاخیر نہیں کرتا۔

پانچویں فصل:

مسلمان کے اخلاقی پہلو پر حج کا تربیتی اثر

حج نفس انسانی کی تربیت کا عظیم اسکول ہے جو خواہشات پر قابو پانا سکھاتا ہے، اس کی سرکشی کو لگام دیتا ہے اور اس میں موجود خیر کے جذبات کو بڑھاوا دیتا ہے، یہ بات درج ذیل پہلوؤں سے واضح ہوتی ہے:

۱- حج کے کچھ ارکان وآداب، سنن وواجبات اور مستحبات ہیں جو انسان کے اعضاء وجوارح، اس کے جذبات واحساسات اور جوش وخروش پر قابو پانے میں معاون ہوتے ہیں۔ وہ حلال کاموں سے دور رہنے کی تربیت حاصل کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ شبہات اور حرام سے باز رہ سکے۔ احرام کے ذریعہ اس پر جماع اور اس کے محرکات، لغو اور بیہودہ باتیں، بے حیائی، فسق وفجور، رفقاء سے لڑائی جھگڑا اور سلے ہوئے کپڑے پہننا سب حرام ہوجاتے ہیں، اس کے لئے خوشبو، تیل یا خضاب لگانا، بال مونڈوانا، ناخن ترشوانا، مرد کا اپنے بال ڈھانکنا، شکار کرنا اور شادی کا پیغام دینا ممنوع قرار پاتا ہے (شرح فتح القدیر لابن ہمام ۲/ ۱۰ ۴، المبسوط للسرخسی ۴/ ۷، ۸، المصدف للکندی ۸/ ۱۲۴، ۷/ ۳، کتاب الایضاح للشافعی ۳/ ۲۰۹ - ۲۸۲)۔ یہ تمام چیزیں ایک مسلمان کو اپنے تصرفات اور حرکات پر کامل اختیار عطا کرتی ہیں، لہذا اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کی طرف دیکھے کہ مبادا اس کی شہوت بھڑک اٹھے اور اس کی رغبت میں اضافہ ہوجائے، یا اس کی زبان سے بے حیائی کے ایسے کلمات نکل جائیں جن سے وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور نتیجتاً اس کا حج یا عمرہ برباد ہوجائے اور اس پر فدیہ اور قضا بھی واجب ہو۔ یہ پابندی اس قدر سخت

ہے کہ جسم کے بالوں، داڑھی کے بالوں یا سر کے بال نوچنے کی غرض سے ہاتھ کو حرکت دینا بھی جائز نہیں۔ یہ تمام چیزیں انسان میں قوت ارادہ کو تقویت پہنچاتی ہیں اور عقل اور دل ہی ایک مسلمان کے تمام حرکات واحساسات کے رہنما قرار پاتے ہیں، وہ آزاد خواہشات اور حقیر جذبات واحساسات کا غلام نہیں ہوتا۔ حج کے ایام کی طوالت اور انسان کا تحلل اصغر (جس میں جماع کے علاوہ ہر چیز جائز ہوتی ہے) سے تحلل اکبر کی حالت میں منتقل ہونا، بتدریج صبر جمیل کی تربیت ہے اور اسے اس بات کا عادی بناتی ہے کہ وہ تمام خواہشات ومرغوبات کو بلا قید وبند آزادنہ چھوڑ دے۔

۲- حج کے بہت سے احکام وہ ہیں جو نفس انسانی کے اعضاء وجوارح اور احساسات وجذبات پر اس کے اقتدار کو مستحکم کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے یا نبی ﷺ نے مالی عقوبات کی شکل میں اس شخص پر مقرر کئے ہیں جو ممنوعات احرام میں سے کسی کا ارتکاب کرے یا واجبات حج میں سے کسی کو ترک کر دے، ان میں سے چند عقوبات درج ذیل ہیں:

۱- جس شخص نے احرام کے بغیر میقات پار کر لیا اس پر دم لازم ہوگا۔

۲- جس شخص نے بوسہ لیا اور انزال نہ ہوا تو اس پر دم واجب ہوگا، اسی طرح جماع کے علاوہ کسی اور حرکت پر بھی دم واجب ہوگا۔ اگر کسی شخص نے وطی کی تو دونوں کا حج فاسد ہو جائے گا اور دونوں پر ایک ایک بدنہ کی قربانی واجب ہوگی، یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ عورت نے اس کا ساتھ دیا ہو، لیکن اگر اس نے اس کا ساتھ نہیں دیا، لیکن اپنے اوپر غلبہ دیا ہے تو اس کا حج تو فاسد ہو جائے گا لیکن بدنہ صرف مرد پر واجب ہوگا۔

۳- جس شخص نے حرم میں کسی چیز کو یا جنگل میں شکار کو مار ڈالا، یا کسی محرم کو شکار کی نشاندہی کی تاکہ وہ اسے مار ڈالے تو اس پر دم ہوگا۔

۴- جس شخص نے بال کا کچھ حصہ اکھاڑ لیا یا مونڈ لیا تو اس پر ہر بال کے بدلے صدقہ واجب ہوگا، اور اگر بالوں کی تعداد چار سے تجاوز کر گئی تو خواہ اس نے عمداً کیا ہو یا غلطی سے اس پر تین دن کے روزے واجب ہوں گے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا پھر ایک بکری کو ذبح کرنا واجب ہوگا۔

۵- جس شخص نے عمداً خوشبو کا استعمال کیا تو وہ خوشبو دھوئے گا اور اس پر دم واجب ہوگا۔

۶- جس شخص نے رمی جمرات یا منیٰ میں رات گزارنے کو ترک کر دیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

۷- اگر اس نے عمداً سر کو ڈھانک لیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

۸- جس شخص نے سلا ہوا کپڑا یا خف عمداً پہن لیا جبکہ اسے جوتا میسر تھا تو وہ اسے اتار دے گا اور اس پر دم واجب ہوگا۔

یہ سزائیں ایسے لوگوں کو نظم کا پابند بنانے کے لئے ہیں جو اپنے اعضاء اور تصرفات پر اس وقت تک قابو نہیں پا سکتے جب تک انھیں اپنے کاموں کے برے انجام کا علم نہ ہو جائے اور انھیں یہ پتہ نہ چل جائے کہ اگر انھوں نے مناسک کے دائرے سے نکل کر کوئی عمل کیا تو انھیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی، یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا، خواہ وہ فدیہ کے طور پر جانور ذبح کرنے کی پوری استطاعت رکھتا ہو۔ بلکہ ایک مسلمان تو یہ حکم اس لئے بجالاتا ہے کہ وہ اللہ کی قربت کا خواہش مند اور شعائر اللہ کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے، اس حکم کی بجا آوری کے پیچھے یہ شدید خواہش ہوتی ہے کہ اس کی لغزش اور گناہ معاف کر دیئے جائیں، لیکن اس امر میں شک نہیں ہے کہ نفس انسانی کو اوامر کی خلاف ورزی سے محفوظ رکھنے کی خاطر سزاؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آنکھ سے دیکھنے، زبان سے بولنے، ہاتھ کی حرکتوں، دل کے وسوسوں اور شرمگاہ کی رغبتوں کے سلسلہ میں یہ مکمل نظم وضبط تزکیہ اخلاق تک پہنچاتا ہے، کیونکہ انہی اعضاء

کے ذریعہ مکارم اخلاق انسان میں داخل ہوتے اور اپنی جگہ بناتے ہیں، چنانچہ اگر وہ ہمہ وقت ان پر قابو پانے کی تربیت حاصل کرلے تو اس کے اندر خیر کے پوشیدہ جذبات ابھرتے ہیں اور اس کے تمام انعال وتصرفات میں نیکی کے چشمے پھوٹتے ہیں، ورنہ کتنے ہی بلند خواہشات کے حامل ہیں جنہوں نے اپنے اعضاء وشہوات کی لگام آزاد چھوڑ دی اور نتیجتاً تباہی کے گڑھوں میں جا پڑے۔

۳- دوسری عبادات کے ساتھ ساتھ حج بھی ایک مسلمان کو جود وسخا کی صفت سے آراستہ کرتا ہے، وہ خوشنودیٔ رب کی خاطر مال ودولت خرچ کرتا ہے، اگر اس سے کوئی خطا ہوجاتی ہے یا وہ حج کے واجبات کے ترک یا ممنوعات کے ارتکاب کا جرم کرتا ہے تو کوئی تنگی محسوس کئے بنا فدیہ ادا کرتا ہے، حج تمتع اور قران کی صورت میں لازمی طور پر جانور ذبح کرتا ہے اور حج افراد میں نفلاً ایسا کرتا ہے تاکہ قناعت پسند مسکین، دست سوال دراز نہ کرنے والے فقیر اور سفر کے ساتھیوں کو کھلائے پلائے، بلکہ یہ تو حج کے مستحبات میں سے ہے کہ انسان زائد زادراہ ساتھ رکھے تاکہ حج کے دوران اپنے ساتھیوں کو کھلا سکے اور اس طرح کثرتِ انفاق کا عادی بنے۔ استاد سعید حوی نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ بات حج کے آداب میں شامل ہے کہ زادراہ زیادہ رکھا جائے اور خوشی خوشی لوگوں میں خرچ کیا جائے، اس میں بخل یا اسراف سے کام نہ لیا جائے اور درحقیقت مال زیادہ خرچ کرنے میں اسراف نہیں ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں: آدمی کی کرامت ہے کہ وہ سفر میں عمدہ زادراہ ساتھ رکھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حج مبرور سے مراد عمدہ کلام اور کھانا کھلانا ہے (المستخلص فی تزکیۃ الانفس ر ۶۶)۔

۴- حج کے احکام انسان کو لوگوں کے مال سے بے نیازی کی صفت سے آراستہ کرتے ہیں، وہ ان کی مال ودولت پر توجہ نہیں دیتا اور اس کا دل ان کے کھانے پینے اور پہننے میں نہیں اٹکتا، بخاری حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: اہل یمن حج کے لئے آتے تھے اور زادراہ ساتھ نہیں رکھتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں، پھر جب وہ مکہ آتے تو

لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وتزودوا فإن خیر الزاد التقوی" (البقرۃ: ۱۹۷) (زادراہ ساتھ لے لو، کیونکہ سب سے بہتر توشہ تقوی ہے)۔ امام نیسابوری نے حضرت عطاء بن رباحؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص حج کے لئے نکلتا تھا اور دوسروں پر بوجھ بن جاتا تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا (اسباب النزول للنیسابوری: ۵۷)۔

یہی وجہ ہے کہ قرض لے کر حج کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک عمدہ جذبات کا حامل شخص حج اور عمرہ کی شدید خواہش سے مجبور ہوکر کسی سے قرض لے لے اور اس طرح دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خود کو ذلیل کرے، پھر عمرہ اور حج کے بعد وہ شب وروز ذلت کا سامنا کرنے کا عادی ہوجائے، یہیں سے ہمیں اس اخلاقی قدر کا علم ہوتا ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے جسے امام شافعیؒ نے عبداللہ بن اوفیٰؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جس نے حج نہیں کیا ہے، کیا وہ قرض لے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

۵- احکام حج کے ذریعہ ایک مسلمان دوسروں کے جذبات اور حالات کے احترام کا عادی بنتا ہے، ان احکام میں سے درج ذیل یہ ہیں:

الف- احرام، دخول مکہ، طواف اور عرفات میں قیام کے لئے غسل کرنے کا حکم، کیوں کہ یہ لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہیں ہیں اور ان کے احساسات کو پسینے کی بدبو اور دوسری بدبوؤں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

ب- حجر اسود پر اس طرح اکٹھا ہونے کی ممانعت جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے، مصنف عبدالرزاق میں ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: تم مضبوط شخص ہو، جب تم کعبہ کا طواف کرتے ہو تو کمزوروں کو تم سے تکلیف پہنچتی ہے، لہذا اگر

تمھیں حجر اسود کے پاس خالی جگہ دکھے تو قریب جاؤ ورنہ دوری سے تکبیر کہہ کر گزر جاؤ'' (المصنف لعبد الرزاق: کتاب الحج، باب الزحام علی الرکن ۵/۳۶، سنن بیہقی: کتاب الحج، باب الاستلام فی الزحام ۵/۸۰)۔

ج- جو کسی مرض کی وجہ سے پریشان ہو، مثلاً اس کے سر یا جسم کو حساسیت لاحق ہوگئی ہو تو اس کے لئے بال مونڈ وانا جائز ہوجاتا ہے۔ امام بخاریؒ حضرت کعب بن عمرہؓ کے حوالہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس حال میں دیکھا کہ ان کے چہرے پر جوئیں گری ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمھیں اس سے تکلیف ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے انھیں بال مونڈ وانے کا حکم دیا جبکہ وہ حدیبیہ میں تھے۔ قرطبی کہتے ہیں: ''اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ محرم کے لئے بال مونڈ وانا، کتروانا یا چھوٹے کروانا ممنوع ہے، مگر بیماری کی حالت میں اس کی اجازت ہے'' (تفسیر قرطبی ۱/ ۷۵۸)۔

د- جس شخص کو پیدل طواف اور سعی میں مشقت ہوتی ہو اس کے لئے سوار ہو کر طواف اور سعی کرنا جائز ہے۔ امام بخاریؒ حضرت ام سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے شکوہ کیا کہ میں چل نہیں سکتی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں سے ہٹ کر سواری پر طواف کرو'' (صحیح بخاری: کتاب الحج، باب طواف النساء مع الرجال (۱۶۱۹))۔

ھ- بچوں اور عورتوں میں سے جو کمزور ہوں ان کے لئے اجازت ہے کہ وہ مزدلفہ میں رات گزاریں اور فجر سے قبل ہی رمی جمار سے فارغ ہوجائیں تاکہ بھیڑ بھاڑ سے محفوظ رہ سکیں۔ امام بخاریؒ اور مسلم نے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ ہم مزدلفہ میں اترے تو حضرت سودہؓ نے نبی ﷺ سے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ سے قبل رمی کی اجازت حاصل کرلی، وہ سست رفتار خاتون تھیں، اس لئے انھیں

اجازت مل گئی'' (صحیح بخاری: کتاب الحج؛ باب من قدم ضعفۃ أہلہ بلیل (۱۶۸۱))۔

امام نووی فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ حاجی اس وقت تک مزدلفہ میں رکا رہے جب تک فجر طلوع نہ ہوجائے، اس سے کمزور لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے لئے مستحب ہے کہ فجر سے پہلے ہی رمی سے فارغ ہولیں'' (المجموع للنووی ۸/ ۱۵۰، نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۳، اور حاشیہ رد المحتار لابن عابدین ۲/ ۵۱۱، ۵۱۲)۔

امام ابن حجرؒ کہتے ہیں: ''عطاء سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن عباسؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے انہیں مزدلفہ کی رات میں حکم دیا: ''کمزوروں اور عورتوں کو لے جاؤ تا کہ وہ صبح کی نماز منٰی میں پڑھیں اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں پھنسنے سے پہلے ہی رمی سے فارغ ہوجائیں۔ حضرت عطاء بھی بوڑھے اور کمزور ہونے کے بعد ایسا ہی کیا کرتے تھے'' (فتح الباری ۳/ ۵۲۸)۔

و- احکام حج میں مال اور تجارت والوں کی مصلحتوں کا خیال رکھا گیا ہے، تا کہ وہ از خود اپنے مال کی دیکھ بھال کرسکیں، امام مالک حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو البداح نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو منی سے باہر رات گزارنے کی اجازت عطا فرمائی اور اس بات کی رخصت دی کہ وہ قربانی کے دن رمی کرلیں پھر بعد میں دو دن کی رمی ایک ہی دن میں کرلیں یا اس کے بعد بھی دو دن تک کرلیں بلکہ وہ اس دن بھی رمی کرسکتے ہیں جس دن حجاج منٰی سے مکہ روانہ ہوتے ہیں (الموطا: کتاب الحج؛ باب الرخصۃ فی رمی الجمار ۱/ ۴۰۸، سنن ابی داؤد: کتاب المناسک؛ باب فی رمی الجمار، نسائی: کتاب المناسک؛ باب رمی الرعاۃ)۔

علماء نے انہی چرواہوں پر ہر اس شخص کو قیاس کیا ہے جس کے پاس مال و دولت یا کوئی ایسی چیز ہو جس کے ضائع ہوجانے، یا اہم مصلحت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو اسے اس بات

کی اجازت ہوگی کہ وہ منیٰ سے باہر رات گزار لے تاکہ وہ اپنی ان ضروری مصلحتوں کا لحاظ رکھ سکے جنھیں منیٰ میں رات گزارنے کی صورت میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ شیخ ساعاتی مسند کی شرح میں رقم طراز ہیں: ''یہ جمود ہے کہ منیٰ سے باہر رات گزارنے کی رخصت کو صرف چرواہوں اور پانی پلانے والوں تک محدود کردیا جائے، بلکہ یہ رخصت ان کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی ہے''۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ رخصت ان لوگوں کے لئے بھی ہے جن کے پاس مال ہو اور اس کے ضائع ہونے کا انھیں اندیشہ ہو، یا کوئی ایسا معاملہ ہو جس کے خراب ہوجانے کا خوف ہو یا کوئی مریض ہو جس کی وہ تیمارداری کررہا ہو (الفتح الربانی ۱۲/ ۲۲۳، ۲۲۴، سبل السلام للصنعانی ۲/ ۵۴۷، نیل الاوطار للشوکانی ۵/ ۸۰، زادالمعاد لابن قیم ۲/ ۲۹۰)۔

یہ احکام جن کے دلائل پیش کرنے میں میں نے طوالت سے کام لیا ہے، آج اگر مسلمان ان کا التزام کریں تو ان کا حج اس مشقت اور پریشانی سے محفوظ ہوسکتا ہے جو لوگوں کو طواف کے وقت پیش آتی ہے، یہ مشکل خصوصا حجر اسود کے پاس بھیڑ بھاڑ اور رمی جمرات کے لئے ازدحام کی بناپر درپیش ہوتی ہے۔ اس ازدحام کے سبب کتنے ہی لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ یہ صورتحال اس بات کی متقاضی ہے کہ آج کے حالات کے پیش نظر رمی جمرات کے اوقات سے متعلق فتاوی پر نظر ثانی کی جائے، جب کہ آج تیس لاکھ سے زیادہ لوگ حج کے لئے جاتے ہیں، کہ کیا یہ تمام لوگ سات گھنٹوں میں رمی جمار سے فارغ ہوسکتے ہیں اور کیا یہی اصل مطلوب ومقصود ہے جیسا کہ بعض فتاویٰ میں کہا گیا ہے (ملاحظہ فرمائیں: رمی الجمرات وما یتعلق بہ من أحکام۔ دکتور شرف بن علی الشریف وفتاوی فی الحج للشیخ عبد العزیز بن باز والشیخ صالح بن عثیمین والشیخ عبد اللہ بن جبرین)۔ یہ اس لئے بھی واجب ہے کہ ان محترم نفوس کو ہلاکت وبربادی اور مسلمان بھائیوں کے پیروں تلے کچل کر ہونے والی موت کی رسوائی سے بچایا جاسکے۔ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اصل مقصد کو مدنظر رکھنے کے بجائے ایک مخصوص ظاہری شکل کو مطمح نظر بنالیتے ہیں، جبکہ یہ روشن

شریعت بہت سارے معاملات میں شرعی حکم کو اس وقت اباحت سے حرمت میں تبدیل کر دیتی ہے، جبکہ اباحت سے بہت سی جانوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ لہذا اگر ایک حج کرنے والا اس بات سے واقف ہو کہ وہ رمی جمرات کی نیت سے بھیڑ میں شامل ہو گیا تو جسمانی کمزوری اور شدید ازدحام اس کی موت کا سبب بن سکتی ہے، اور اس کے باوجود وہ ایسا کرتا ہے تو وہ گناہگار ہو سکتا ہے، اس پر واجب ہے کہ رات میں کسی وقت رمی سے فارغ ہو لے، یا پھر ظہر سے پہلے یا اگلے دن رمی کر لے، یا کوئی دوسرا شخص اس کی جانب سے رمی کر دے۔

احکام حج ہمیں رحمت کی صفت سے آراستہ کرتے ہیں اور یہ رحمت کا سلوک محض انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ ہمیں جانوروں سے بھی حسن سلوک کا درس دیتے ہیں، جانوروں کو ذبح کرنے سے متعلق نبی ﷺ کی ہدایت ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے جسے دارمی نے حضرت شداد بن اوسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی دو باتیں محفوظ کر رکھی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کو فرض قرار دیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو، جب ذبح کرو تو اس کا بہتر طریقہ اختیار کرو، تمہیں چاہیے کہ اپنی چھریاں تیز کر لو اور اپنے جانور کو آرام سے ذبح کرو'' (سنن دارمی: کتاب الاضاحی، باب فی حسن الذبیحۃ (۱۹۷۰))۔

۶- حج کے بعض احکام لوگوں کو حسن اخلاق اور ان کی عزت و کرامت کا درس دیتے ہیں، امام بخاری حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ طواف کے دوران ایک ایسے شخص کے پاس سے گذرے جس نے اپنا ہاتھ دوسرے شخص کے ہاتھ سے دھاگے یا تسمے جیسی کسی چیز کے ذریعہ باندھ رکھا تھا، نبی کریم ﷺ نے اسے کاٹ دیا اور فرمایا: اسے ہاتھ سے پکڑ کر لے جاؤ'' (صحیح بخاری: کتاب الحج، باب الکلام فی الطواف (۱۶۲۰))۔

یہ حدیث اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کو محسوس کیا کہ

ایک انسان کا ہاتھ کسی چیز سے باندھ کر اس کے آگے آگے چلنا آدمیت کی توہین اور اس کی عزت وکرامت کے منافی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فوراً آگے بڑھ کر اس برائی کو بزور روک دیا، پھر اسے حکم دیا کہ وہ اسے ہاتھ پکڑ کر لے جائے، جانوروں کی طرح کھینچتا ہوا نہ لے جائے۔ یہ حدیث ایک واضح طریقہ کار کا تعین کرتی ہے کہ ہر وہ صورت جس میں کرامت انسانی کی توہین ہو اور ہر وہ معاملہ جو اس کی رسوائی کا سبب بنے بہر صورت ناقابل قبول ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کسی جرم میں ماخوذ ہوتو اس کی اصلاح اور درستگی کے پیش نظر اسے سزا دینا درست ہے۔

۷- حج کی تکالیف، اس کا طویل سفر، عادتوں کی تبدیلی اور بحری، بری اور فضائی سفر یہ ایک قسم کا عذاب ہے، کیونکہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سفر عذاب کا ایک حصہ ہے، یہ تمہیں کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے، چنانچہ جب تمہارا کام پورا ہوجائے تو فوراً اپنے گھر لوٹ آؤ'' (صحیح بخاری: کتاب الحج، باب السفر قطعۃ من العذاب (۱۸۰۴))۔ یہ سفر نفس کی صلاحیتوں اور قوت برداشت میں خود اعتمادی بحال کرنے کا سبب بنتا ہے، تا کہ ایک مسلمان اہم اور عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے اٹھ کھڑا ہو، وہ امانت اسلام کو پہنچانے کی ذمہ داری سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہو سکے اور کماحقہ شہادت علی الناس کا فریضہ انجام دے سکے، اس طرح وہ زندگی کے ہر میدان میں اس کمال کو حاصل کر سکے جو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کے لئے نفع بخش ہو۔

عبادات کے یہ وہ تربیتی اثرات ہیں جو انسان کی روح اور اس کے اخلاق پر مرتب ہوتے ہیں، انشاءاللہ دوسرے مبحث میں ہم ان اثرات پر گفتگو کریں گے جن سے انسان کی عقل اور جسم فیض یاب ہوتے ہیں۔

تیسرا باب:

مرد مومن کی عقل پر عبادات کا تربیتی اثر

پہلی فصل:

مردمومن کی عقل پر طہارت کا تربیتی اثر

مردمومن کی عقل کی نشونما میں طہارت کے نمایاں اثرات مرتب ہوتے ہیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

ا- یہ بات فقہی نقطہ نظر سے تسلیم شدہ ہے کہ جنون، نشہ، بے ہوشی یا گہری نیند کے سبب عقل کے زائل ہوجانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طہارت کو حدث سے بچانے میں عقل کو بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ عقل کے جاتے رہنے کی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔لہذا عقل کے بحال ہونے کے بعد پھر سے وضو کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ اس سے عقل کو مزید فرحت وتازگی مل جائے اور مردمومن کی طہارت کے لئے عقل کی حفاظت مؤکد ہوجائے۔

۲-طہارت کے احکام میں بہت سی ایسی صورتیں ہیں جو مردمومن کی عقل کی تشکیل ایسی نرمی اور قوت سے کرتی ہیں جس میں کاہلی وسستی کی کوئی گنجائش نہیں۔صرف محدود شکل اور ڈھانچے پر اکتفاء کرلینا ہی لوگوں کو پریشانی اور حرج ومشقت میں ڈالتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے احکام ہیں جن کا تعلق آسانی اور سہولت سے ہے، جو عقل کو زندگی کے تمام معاملات میں اس لچک اور نرمی کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ کسی حرج کے بغیر واقعی صورت حال کے ساتھ معاملہ کرنے پر قادر ہو۔ان سہولتوں کی چند صورتیں حسب ذیل ہیں:۔

الف-لوگ دریاؤں سے بے نیاز نہیں ہوسکتے خواہ وہ مسافر ہوں یا تاجر یا سیر وتفریح

کرنے والے یا مزدوریا مجاہد یا بحث وتحقیق کا کام کرنے والے۔ ان لوگوں کے لئے سفر میں اپنے پینے کے پانی کے ساتھ طہارت کا پانی ساتھ لے جانا بہت مشکل ہے۔ یہاں اس پر حدیث میں اسی سہولت کا بیان ہے جسے امام مالکؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے: نبی کریم ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردار حلال ہے (الموطا، کتاب الطهارة، باب الطهور الوضوء (۲۲/۱)، ابو داؤد، کتاب الطهارة باب الوضوء بماء البحر)۔

ب- مسح علی الخفین (موزوں پر مسح کرنے) کا جواز۔ اس لئے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ باجی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین)۔

ستر صحابہ کرامؓ سے مسح علی الخفین کا جواز منقول ہے۔ جمہور کے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ مسح کا جواز منسوخ نہیں ہے جیسا کہ ابن رشد نے لکھا ہے (بداية المجتهد و نهاية المقتصد لابن رشد (۱۸/۱)) اس میں اباضیہ کا اختلاف ہے (جمہور علماء کے ساتھ ان کے مناقشہ کے لئے دیکھئے: معارج الآمال للسالمی (۳۲۰/۱-۳۰۵) الإیضاح للشماخی (۷۹/۱-۸۱) شرح کتاب النیل (۷۴/۱)۔

اس مسح میں مسلمانوں کے لئے بڑی آسانی ہے، خصوصاً مزدوروں، مریضوں اور معذوروں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کے لئے کسی وقت اور جگہ میں اپنے پیروں کو دھونے کی گنجائش نہ ہو۔ لہذا یہ لوگ اپنے موزوں پر مسح کریں گے بشرطیکہ موزہ یا خف طہارت کی حالت میں پہنا گیا ہو۔

یہ سہولت مسافر کے لئے اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ جو مدت مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے وہ مسافر کے لئے تین دن اور تین رات ہوجاتی ہے اور اعلی درجہ کی آسانی کے ساتھ یہ ہم آہنگی اللہ کے حکم سے ہے، اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے، جو مسلمان کی عقل کو ایسا بنادیتی ہے کہ جہاں مشقت پائی جاتی ہے وہ آسانی کی طرف مائل ہوجاتی ہے اور مشقت میں اضافہ کے ساتھ آسانی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ج- ہر نماز کے لئے مستحاضہ عورت کے واسطے غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں انتہائی مشقت اور سخت دشواری ہے اور بسا اوقات یہ بہت سی عورتوں کے لئے نماز چھوڑنے کا سبب بن جائے گا اسی لئے اس کے لئے جائز ہے کہ ہر نماز کے لئے صرف وضو کرے اور نماز پڑھے، اگر چہ خون چٹائی پر گرے جیسا کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں ہے (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الاستحاضہ و غسلھا وصلاتھا)۔

د- شاید یہ آسانی کی آخری درجہ کی مثال ہو جس کو اس واقعہ نے عملی جامہ پہنایا ہے جس کو سیدنا مجاہد نے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ مسجد میں تھے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ہمارے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا، کیا تم میں کوئی مفتی ہے؟ ہم نے کہا تم کو جو پوچھنا ہو پوچھو۔ اس نے پوچھا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو منی خارج ہوجاتی ہے۔ ہم نے دریافت کیا، کیا وہ منی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ ہم نے کہا: تم پر غسل واجب ہے اور وہ شخص ''إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون'' کہتے ہوئے واپس ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جلد اپنی نماز مکمل کی اور حضرت عکرمہؓ سے کہا تم اس شخص کو بلاؤ۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے اس کی طرف متوجہ ہوکر دریافت کیا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب تمہیں یہ حالت پیش آتی ہے تو کیا تم اپنی شرم گاہ میں کچھ شہوت محسوس کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ تو انہوں نے پھر پوچھا، کیا تم اپنے جسم میں سستی محسوس کرتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ تو حضرت ابن

عباسؓ نے فرمایا: یہ صرف ایک رطوبت ہے، جس کی طرف سے تمہارے لئے وضو کرنا کافی ہو جائے گا۔ (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے فتوی میں آسانی ہے اور علم کے بغیر فتوی دینا کبھی کبھی بہت سے لوگوں کو تنگی میں مبتلا کر دیتا ہے، صحابہ کا طریقہ یہ تھا کہ علم کے بغیر فتوی نہیں دیتے تھے، فتوی دینے کے سلسلہ میں ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی وہ لوگ پوچھنے والے کو کسی دوسرے صحابی کے پاس بھیج دیتے یہاں تک کہ وہ شخص ان صحابی کے پاس پہنچ جاتا جن سے پہلے دریافت کیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ بہت سی مثالیں ابن قیم جوزیہ کی کتاب "اعلام الموقعین" ۱/ ۲۷-۲۹ میں دیکھیں)۔

اس واقعہ میں اس آدمی کو ایک غیر شرعی حکم کا فتوی دیا گیا جس کی بنیاد آسانی کے قاعدہ پر نہیں تھی تو وہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے لگا، گویا کہ اس پر کوئی مصیبت نازل ہوگئی ہو اور جب حضرت ابن عباسؓ نے اس کو صحیح شرعی فتوی دیا تو وہ شخص خوش ہوگیا اور پہلے فتوی سے جو تکلیف اسے پہنچی تھی وہ دور ہوگئی۔

ھ-جس کو پانی نہ ملے اس کے لئے تیمّم کا جائز ہونا، اس لئے کہ امام احمد نے اپنی مسند میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگر چہ اس کو دس سال تک پانی نہ ملے" (المسند ۵/ ۱۴۶-۱۴۷)، یہ جواز صرف اسی شخص کے لئے نہیں ہے جو پانی نہ پائے، بلکہ اگر کسی کو پانی مل بھی جائے اور اس کو کوئی شرعی عذر ہو یعنی ایسا مرض ہو جس میں پانی کا استعمال کرنا نقصان دہ ہو، یا پانی تلاش کرنے کی صورت میں عزت یا مال کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا پانی تو مل جائے لیکن اس کو اسے پینے کی ضرورت ہو یا وقت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ان تمام صورتوں میں بھی تیمّم جائز ہے۔ یہ احکام درحقیقت مسلمان مرد عورت کے لئے بہت زیادہ آسانی اور سہولت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی سے متعلق امام بخاری سے مروی ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق میں جب حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہوگیا اور اس کی

وجہ سے مسلمان کچھ دیر رک گئے اور ان کے ساتھ پانی موجود نہیں تھا، اس وقت آیت تیمم نازل ہوئی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا: اے آل بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (صحیح البخاری، کتاب التیمم، اول الباب حدیث نمبر (۳۳۴))۔

تیمم کے جواز سے حضرت اسید بن حضیرؓ کو جو خوشی حاصل ہوئی بعینہ یہی خوشی ہر مسلمان محسوس کرتا ہے جب اسے تیمم کی ضرورت آتی ہے۔ اس سے سہولت دینے اور لوگوں سے تنگی کو دور کرنے کے سلسلہ میں اسلام کا موقف بہت واضح معلوم ہوتا ہے۔

دوسری فصل:

مردمومن کی عقل پرنماز کا تربیتی اثر

ایسے کئی پہلو ہیں جن میں نماز عقل پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کو اس ربانی سانچے میں ڈھالتی ہے جو لچکدار اور قوی ہے، اس میں عقل کی پختگی ہے اور عقلاء اپنی عقل کو خاص سانچے میں ڈھالنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ اسی معنی میں عنترہ بن شداد سے ان کا یہ قول منقول ہے کہ میری سواری فرماں بردار ہے، جہاں میں چاہتا ہوں میری عقل کی اطاعت کرتی ہے اور میں اس کو اٹل فیصلے کے ساتھ چلاتا ہوں۔

وہ اپنی تیز رفتار اور فرماں بردار سواری اور اپنی عقل کی، جو اس کو متحرک کرتی ہے، تعریف کرتا ہے۔ اس کی نفسانی خواہشات اس کو متحرک نہیں کرتی ہیں، بلکہ اس کی عقل کی نگاہیں اس کو حرکت دیتی ہیں، وہ اس عقل کو ایسے اٹل فیصلے کے ساتھ استعمال کرتا ہے جو اس کی پختگی میں اضافہ کرتا ہے اور یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جن سے اکثر لوگوں کی عقلیں بھری رہتی ہیں۔ ان پہلوؤں میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱- سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک رکن ہے (اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ) قرآن کا پڑھنا سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ خاص طور پر فجر کی نماز میں لمبی قراءت کرتے تھے، تراویح کی نماز رمضان میں مشروع ہے اور اس میں قراءت لمبی ہوتی ہے، یہاں تک کہ مہینے کے اندر تراویح میں قرآن حرمین شریفین میں اور عالم اسلام کی بہت سی مساجد میں مکمل کرلیا جاتا ہے، بلکہ یوروپ، امریکہ، آسٹریلیا، اور چین کے اسلامی مراکز میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ رات کی نفل نماز میں اصل

یہ ہے کہ قرآن کی قراءت لمبی ہو، یہاں تک کہ حضور ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے اور پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ، آل عمران اور سورۂ نساء پڑھتے تھے، روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کی مضبوط عقلی تشکیل میں ان سب کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ عقل اوہام کو قبول نہیں کرتی، بلکہ حقائق کا اعتقاد رکھتی ہے اور شکوک وشبہات کو دور کر دیتی ہے تاکہ ان کی جگہ یقین پیدا ہو۔ اللہ تعالی نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:

''إن يتبعون إلّا الظن وإن الظن لا يغني من الحق شيئا'' (النجم/ ۲۸)

(وہ محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور گمان امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں)۔

مسلمان کی عقل صحیح عقائد، بلند اخلاق اور مکمل قانون سازی کی ایسی تشکیل کرتی ہے جو روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کی عقل اور وجدان میں اس وقت سے پائی جاتی ہے جب سے قرآن نازل ہوا اور صحابہؓ نے اسے تابعین تک پہنچایا، یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مسلمانوں کے دلوں اور عقلوں کی طرف منتقل ہوتی رہی ہے اور یہ تمام مسلمانوں کی عقلوں میں بہت حد تک موافقت پیدا کر دیتی ہے، چنانچہ اگر آپ ایک شہر، بلکہ ایک سماج کے افراد کے درمیان افکار کی انتہائی قربت کا عملی تجربہ کرنا چاہیں اور ان کے سامنے اس شہر کے اعتقادات، اخلاقیات اور قانونی افکار کے مختلف پہلوؤں سے متعلق سو سوالات پیش کریں تو ان میں بہت واضح اختلاف ہوگا، جبکہ اگر بعینہ یہی سوالات مختلف ممالک اور مختلف سماج کے مسلمانوں کے سامنے پیش کریں تو ان کے جوابات بہت حد تک یکساں ہوں گے۔ اس لئے کہ قرآن کریم ہی ہر مسلمان کے نزدیک پہلا سرچشمہ ہے اور وہی اس کے لئے آخری دلیل اور کامل حکمت ہے، اسی سے تمام اعتقادات اور اکثر افکار حاصل کئے جاتے ہیں اور یہی فکر کی میزان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں عقل استعمال کی جائے گی اور کہاں وہ توقف کرے گی اور اللہ کے سامنے جھک جائے گی۔ عقل انسان کی دنیا اور آخرت کے تعلق سے اس کے تمام مفید پہلوؤں میں اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہے۔ اس

کی عقل کوضوابط اور معیار کے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ پوری عمر ایسی چیز میں گنوا دے جہاں خدا کی مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں پہنچ پاتا، مثلاً روح کی حقیقت کو جاننا، چنانچہ مسلمان کے لئے اللہ تعالی کا یہ ارشاد پڑھنا کافی ہوجائے گا: **يسئلونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم إلّا قليلا** (الاسراء:۸۵)(اور وہ لوگ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔

آج کل علم کی انتہائی ترقی کے باوجود زمین پر بسنے والے علماء اس پر قادر نہ ہو سکے کہ روح کی حقیقت میں سے کچھ بھی معلوم کرسکیں، اس کے باوجود کہ یہی جسم کے لئے حقیقی محرک ہے، لیکن ایک مسلمان فکر کا سیدھا راستہ عقل، دل اور اعضاء و جوارح سے حاصل کرلیتا ہے اور جسم ایسا مردہ ہوجاتا ہے کہ ہر مسلمان اور کافر اس کو جلد از جلد چھپانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے باوجود یہ اللہ تعالی کا کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

نماز روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی عقل میں آنے والی حدود یعنی عقلی اور قلبی اعتقادات کی محافظ ہوتی ہے اور عقل اس کی دنیا و آخرت کی اصلاح کے لئے، غیر مفید یا ایسی چیز میں مشغول ہوئے بغیر جہاں تک اہل زمین کی رسائی نہیں ہوسکتی ہے، صحیح اور سیدھی راہ کی رہنمائی کرتی ہے۔

۲- اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نفس کی صفائی، عقل کی صفائی اور علم کے بڑھنے کا سبب ہے اور نماز (جیسا کہ گذرا) سینے کو کھول دیتی ہے، دل کو راحت پہنچاتی ہے اور یہ چیز عقل کو گہری سوچ، علمی مہارت اور اس کی تکمیل کے لئے فارغ کردیتی ہے۔ یہی اللہ تعالی کے اس ارشاد کا مطلب ہے:

"**واتقو الله ويعلمكم الله**" (البقرۃ:۲۸۲) (اور اللہ سے ڈرو، اللہ تم کو سکھاتا ہے)۔

چنانچہ نماز اپنے تمام ارکان وافعال کے ساتھ تقوی پیدا کرنے میں حصہ لیتی ہے جو علم کا سبب ہوتا ہے۔ جس دن امت کے نفوس پاکیزہ ہوگئے، امت کے علماء نے زندگی کے تمام مفید پہلوؤں میں یعنی طب، فلکیات، کیمیا، ریاضیات اور دوربینی میں مہارت حاصل کی۔

۳-نماز میں عقل، علم اور علماء کا لحاظ کرنے کے سلسلہ میں شریعت کے جو احکام ہیں کہ امام علم، حفظ اور فقہ میں تمام مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہو، اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کی امامت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو اور اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو سنت کا سب سے بڑا عالم ہو اور اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من أحق بالامامۃ)۔

یہ ایک اہم فیصلہ ہے کہ نماز کے ائمہ اور مساجد کے خطباء، علم کے خادم اور حفظ اور فقہ والے ہوں اور قراء سے مراد قرآن کا صرف زیادہ یاد کرنے والا نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں حضرت ابو بکرؓ کو نائب بنایا، حالانکہ حضرت زید بن ثابتؓ ان سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے قرآن جمع کرنے میں ان سے مدد لی ہے اور انہوں نے اس امانت کو اٹھایا، بلکہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابہ میں بلکہ پوری امت میں سب سے بڑے حافظ سمجھے جاتے تھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت احمد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی نے اپنی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکرؓ ہیں اور اللہ کے دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں، سب سے زیادہ باحیا عثمانؓ ہیں، حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذؓ ہیں، اللہ تعالی کی کتاب کے سب سے بڑے حافظ ابیؓ ہیں اور فرائض کے سب سے بڑے

عالم زید بن ثابتؓ ہیں۔ ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں (سنن ابن ماجہ باب فضائل اصحاب رسول اللہ ﷺ (۱۵۴)، نیل الاوطار للشوکانی، کتاب الفرائض (۲۵۴)، ابن حجر نے فتح الباری (۲۱/۱۲) میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اس کی روایت احمد اور اصحاب سنن نے کی ہے ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی زمین میں مساجد کی کثرت کے ساتھ حفاظ، علماء اور فقہاء زیادہ ہوں گے، ہر جماعت اس کی کوشش کرے گی کہ نماز میں علماء کو آگے بڑھا کر ان کی عزت افزائی کرے، جھگڑوں میں ان کی طرف رجوع کرے اور حوادث ومسائل میں اللہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے ان کے پاس جائے، اس سے علماء کی عزت وشرافت میں اضافہ ہوگا اور ان میں مزید علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا، تا کہ وہ اس بلند منصب کے اہل ہوسکیں جس پر لوگوں نے انہیں فائز کیا ہے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے شاگرد امام ربیع بن سلیمان مرادی اس مسجد میں مؤذن تھے جس میں امام شافعیؒ فقہ کا درس دیا کرتے تھے اور علم کے حلقے قائم کرتے تھے۔ یہ لوگوں کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لئے بیٹھے اور اس میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ علم اصول فقہ کی سب سے پہلی کتاب ''الرسالۃ'' کے تنہا راوی بنے اور امام شافعیؒ کے بعد امام مزنی کے ہمراہ نماز، علم اور فتوی دینے میں امام بنے، مؤذن ہونے کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری اس عظیم مرتبے پر فائز ہونے سے مانع نہیں بنی، اس لئے کہ علم صاحب علم کو مسلمانوں میں بلند مقام عطا کرتا ہے۔

۴- یہ بات معلوم ہے کہ نماز کے کچھ ارکان ہیں، جن میں سے کسی ایک کے فوت ہو جانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور کچھ ایسی سنتیں اور آداب ہیں جن کی رعایت کرنے سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے مسلمان آدمی کی عقل کی ایسی تشکیل ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز کو اس

کی جگہ میں رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ چھوٹے امور کو بڑا نہیں بناتی اور بڑے امور کے حساب میں کوئی اضافہ نہیں کرتی جیسا کہ کم دیندار لوگوں سے سرزد ہوتا ہے جو اسلام کے احکام کو اس طرح پڑھتے ہیں گویا کہ وہ سب واجبات یا فرائض یا حرام ہیں۔ ان کے درمیان مندوب، مباح یا مکروہ کا کوئی درجہ نہیں ہے۔ یہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات ان کے لئے فتنہ بن جاتے ہیں، نماز کے احکام مسلمان آدمی کی عقل کو ایسے واضح موقف پر کھڑا کرتے ہیں کہ یہاں پر کچھ فرائض اور ارکان ہیں جن کو اگر مستحبات اور مندوبات کے ساتھ جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ان کو مستحبات ومندوبات پر مقدم کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی کے پیر میں تکلیف ہو جو تشہد کے لئے مستحب طریقے پر بیٹھنے سے مانع ہو اور وہ شخص اپنے آپ کو اس طریقے پر بیٹھنے پر مجبور کرے، حالانکہ اس صورت میں خشوع فوت ہو جائے جو کہ نماز کی روح ہے تو وہ شخص بلاشبہ خطا کار ہوگا۔ لیکن جو شخص نماز کی روح کو اس کی ظاہری ہیئت پر ترجیح دے گا تو یہ اس کی عقل کی پختگی کی دلیل ہوگی، جو بلاشبہ اس کی زندگی کی رفتار اور اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہوگی۔

اسی قبیل سے فرض نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز کا صحیح نہ ہونا ہے، اس لئے کہ حدیث ہے جس کی روایت مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ ہوگی" (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراہۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع الاذان)۔

آج ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم "فقہ الاولویات" (قابل ترجیح مسائل) کو جانیں، خواہ اس کا تعلق ہماری خاص یا عام زندگی، دعوتی وتحریکی، سیاسی واقتصادی زندگی سے ہو اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہوگی جب امت کے ہر فرد کی عقل کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ خود اپنی زندگی کی ترجیحات کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔

۵- مسلمان نماز سے یہ سیکھتا ہے کہ وہ اپنے ہر کام کا مقصد متعین رکھے اور کوئی کام بے

کار نہ کرے اور لاپرواہی کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ کرے۔ چنانچہ جب وہ نماز کا ارادہ کرے گا تو وہ صحیح نیت کے بغیر صحیح نہ ہوگی اور جب تکبیر تحریمہ کے وقت نماز شروع کرنے کی دعا یعنی: إنی وجهت وجهی للذی فطر السماوات والأرض حنیفا وما أنا من المشرکین" پڑھے گا تو اس کی توجہ واضح ہوگی اور جب رکوع کرے گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا یاد رکھے گا:

"اللهم لک رکعت وبک آمنت ولک أسلمت، خشع لک سمعی و بصری" (اے اللہ! میں نے آپ ہی کے لئے رکوع کیا اور آپ ہی پر ایمان لایا اور آپ ہی کا فرماں بردار بنا۔ میرے کان اور میری آنکھیں آپ کے سامنے جھک گئیں) اور جب سجدہ کرے گا تو یہ دعا یاد رکھے گا:

"سجد وجهی للذی خلقه و صوّره وشق فیه سمعه و بصره فتبارک الله أحسن الخالقین" (میرے چہرے نے اس ذات کے سامنے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اس میں کان اور آنکھ بنائے، پس اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے اس کی ذات بڑی بابرکت ہے)۔

۶- جو مسلمان اپنی نماز کی پابندی کرتا ہے اس کی عقل قوی اور لچکدار طریقے سے تشکیل پاتی ہے، چنانچہ آپ اس کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ تعالی نے مسلمان مرد وعورت کو جو رخصتیں دی ہیں ان سے سیکھتا ہے کہ پیچیدگی، تشدد اور غلو سے بچتے ہوئے آسانی اور سہولت کے ساتھ روزمرہ کے معاملات میں کس طرح کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آسانی کی بعض شکلیں درج ذیل ہیں:

الف- جس کو قبلہ معلوم نہ ہو، پھر وہ بھرپور کوشش کرے اور قبلہ کے علاوہ سمت کی طرف نماز پڑھ لے تو راجح قول کے مطابق اس کی نماز صحیح ہوگی۔ بشرطیکہ وہ صحیح سمت کا اندازہ لگانے

میں پوری جدوجہد اور بھرپور کوشش کرلے۔

ب- جوشخص فرض نماز میں کھڑا ہونے پر قادر نہ ہو وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر یا سر کے اشارہ سے نماز پڑھے گا، یا رکوع اور سجدہ کے لئے اپنی آنکھوں کی پلکوں کو حرکت دے گا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ نماز ترک نہ کرے (اس مفہوم کو ابن حجر کی فتح الباری (۲/ ۶۸۳) میں دیکھا جائے)۔

ج- جس شخص کو بدن چھپانے کے لائق کپڑا میسر نہ ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور اس کی نماز صحیح ہوگی۔

د- اللہ تعالی نے مسافر کے لئے چار رکعت والی نماز میں قصر کرنے اور ظہر کو عصر کے ساتھ یا مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی اجازت دی ہے خواہ جمع تقدیم ہو یا جمع تاخیر۔ مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضر اور سفر میں دو رکعت نماز فرض ہوئی پھر سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کیا گیا (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا)۔

مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھتے (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر)۔

بلکہ امام مالکؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ اور مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ بغیر کسی خوف اور سفر کے ادا کی۔ امام مالکؒ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ یہ بارش میں ہوا (الموطا کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، باب الجمع بین الصلاتین فی السفر)۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کو عملی جامہ اس طرح پہنایا کہ ایک جمعہ کے دن سخت بارش ہوئی، آپ نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، بعض

لوگوں نے جب اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا: اس ذات نے اس پر عمل کیا ہے جو مجھ سے بہتر ہے۔ بیشک جمعہ واجب ہے، لیکن میں نے پسند نہیں کیا کہ تم کو مٹی اور کیچڑ میں چلنے کے لئے نکالوں۔

۷-نماز استخارہ مسلمان کے تردد کو دور کر دیتی ہے اور اس کو محتاط و دانشمند بنا دیتی ہے کہ وہ کسی پس وپیش کے بغیر اپنی عقلی اور روحانی طاقت کو اس چیز پر اقدام کرنے کے لئے جمع کر لیتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ لہٰذا جس کو کوئی اہم معاملہ پیش آئے وہ نماز پڑھے اور جس کو کسی معاملہ میں عقلی طور پر حیرانی و پریشانی لاحق ہو وہ نماز استخارہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے، اس کا طریقہ جیسا کہ بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، احمد اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام امور میں ہم لوگوں کو استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جیسا کہ وہ ہمیں قرآن کی سورتیں سکھلاتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعاء پڑھے:

''اللّٰهم إنی أستخیرک بعلمک و أستقدرک بقدرتک و أسألک من فضلک العظیم فإنک تقدر و لا أقدر و تعلم و لا أعلم و أنت علام الغیوب، اللهم إن کنت تعلم أن هذا الأمر خیرلی فی دینی و معاشی و عاجل أمری و آجله فاقدره لی و یسّره لی ثم بارک لی فیه. وإن کنت تعلم أن هذا الأمر شر لی فی دینی و معاشی و عاقبة أمری أوقال عاجل أمری و آجله فاصرفه عنی واصرفنی عنه واقدر لی الخیر حیث کان ثم رضّنی به، قال: ویسمی حاجته'' (صحیح البخاری کتاب التهجد، باب ما جاء فی التطوع مثنی مثنی (۱۱۶۶)، سنن الترمذی، باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارۃ من ابواب الوتر (۴۷۸)۔

اپنے دل اور اس کے انشراح یا انقباض کا لحاظ کرے اور رات میں خواب کا انتظار کرے، پھر جس نتیجہ تک پہنچے اس کو کسی خوف اور ڈر کے بغیر کر گذرے، اس لئے کہ اس نے اپنی ضرورت اپنے رب کے سامنے پیش کر دی ہے، پھر آگے بڑھتا ہے، پیچھے نہیں ہٹتا اور اس کو اپنے لئے اللہ تعالی کی پسند پر پورا بھروسہ ہوتا ہے، وہ اپنے اندر قوت پیدا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، اس کا مفہوم جیسا کہ شیخ غزالی نے لکھا ہے یہ ہے کہ تم کو پورا بھروسہ ہو اور جو وسائل تم کو اپنے مقصد سے قریب کرنے والے ہوں ان کے ذریعہ اپنے مقصد کے پالینے کا پورا یقین ہو اور اپنے مقصد کو پانے میں اپنی پوری کوشش صرف کرنے والے ہو، قسمت پر چھوڑنے والے نہ ہو جو تمہارے لئے کچھ کرے یا تقدیر پر چھوڑنے والے نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے اس چیز کی تدبیر کرے جس کی تدبیر اپنے لئے کرنے میں تم سے کوتاہی سرزد ہوئی ہو اور شیخ نے اسے برا کہا ہے جو اس صفت کو چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: بیشک اسلام تمہارے لئے اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ تم اپنے معاملات میں تردد کرو اور درست اور صحیح امور کے اختیار کرنے میں حیران و پریشان رہو اور تمہارے دماغ میں وساوس زیادہ ہوں اور تم اپنے سامنے شکوک وشبہات اور خوف وہراس کی فضا پیدا کرو۔ تمہیں سمجھ میں نہ آئے کہ کیا کریں اور اپنے لئے نفع بخش چیز کے حصول میں تمہاری گرفت ڈھیلی پڑ جائے اور وہ تم سے چھوٹ جائے اور بیکار چلی جائے۔ یہ تردد اور پس وپیش مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے (**خلق المسلم للغزالی: ۶۵**)۔

۸- مسلمان اپنی نماز کی وجہ سے اس کا عادی ہو جاتا ہے کہ خیالات اس کو حق سے نہ ہٹا سکیں، وساوس اس کے ساتھ کھلواڑ نہ کر سکیں اور محض شک کی وجہ سے اس کے نزدیک یقین پست نہ ہو۔ چنانچہ اگر نماز کی حالت میں اسے اپنے وضو کے بارے میں شک ہو جائے کہ کیا اس کو ریاح خارج ہوئی ہے یا نہیں تو اس کے لئے اس شک وشبہ میں مبتلا رہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کی نماز پوری ہو جائے اور وہ اس وسوسہ میں غرق رہے، بلکہ وہ یقین کی قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے گا، اس

لئے کہ مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اس کو اشتباہ ہو جائے کہ کیا اس سے کچھ نکلا ہے یا نہیں تو وہ مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے (صحیح مسلم، کتاب الحیض، **باب الدلیل علی أنه من تیقن من الطهارة ثم شک فی الحدث فله أن یصلی بطهارة تلک** (۹۹)، ترمذی نے اس کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ اس کی روایت کی ہے کتاب الطهارة، باب ما جاء فی الوضوء من الریح ۵ ۷)۔

اسی طرح اگر کسی کو اپنی نماز میں شک ہو کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت تو وہ اس وسوسے پر قائم نہیں رہے گا، بلکہ کم پر بنا کرے گا، اس لئے کہ یہ یقینی ہے اور شک کو ایک طرف ڈال دے گا، اس لئے کہ یہ شک اور وسوسہ بڑی بڑی طاقتوں کو ختم کرنے کا سبب ہوتا ہے اور اس کو راہِ حق سے منحرف کر دیتا ہے۔ نماز کی ان عملی سنتوں سے یہ آدمی کو سبق سیکھنا ہے کہ ایسے شک اور تردد کے ساتھ معاملہ کرنے میں زندگی کا موقف کیا ہونا چاہئے جو بعض لوگوں کو پیش آتا ہے اور ان کو خوف زدہ صورت کی طرف پھیر دیتا ہے، خاص طور پر اگر وہ کوئی ذمہ دار منتظم ہو کہ لوگ اس کو بے وقوف سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر انسان کی زندگی میں تردد زیادہ ہو تو اس کی عقل کو معیوب بنا دیتا ہے اور اس کو اس کے مناسب مقام و مرتبہ سے پیچھے کر دیتا ہے۔

تیسری فصل:

مردمومن کی عقل پر زکوۃ کا تربیتی اثر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ مسلم شخص کے عقلی پہلو کی اصلاح کے سلسلہ میں متعدد پہلوؤں پر اثر انداز ہوتی ہے۔جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- زکوۃ کی ادائیگی دنیا کی حرص وطمع سے نفس کو صاف اوردل کو پاک کرتی ہے تاکہ عقل علم سے سیراب ہونے کے لئے فارغ ہوجائے۔اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو حریص آسودہ نہیں ہوتے ہیں، علم کا حریص اور دنیا کا حریص (مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ: ۲۸/ ۸)۔

چنانچہ جس کا دل دنیا کی محبت سے بھر جائے وہ اپنی عقل میں صرف مال کے حاصل کرنے کے طریقے، اس کو جمع کرنے کی تدبیریں اوراس کی حفاظت کرنے، اس کو شمار کرنے اور بڑھانے کے طریقے پاتا ہے اور ایسی عقل علم کے لائق نہیں رہتی ہے۔لیکن جو شخص مال کو اس کے صحیح مقام پر رکھتا ہے اس کی عقل اس کے مقام کو یاد رکھتی ہے اور اس کے دنیا و آخرت کے معاملات کو متوازن صورت میں انجام دیتی ہے جو اللہ تعالی کے اس ارشاد کے موافق ہوتی ہے:

''لعلکم تتفکرون فی الدنیا و الآخرۃ'' (البقرۃ ۲۱۹-۲۲۰) (تاکہ تم غور وفکر کرو دنیا اورآخرت کے معاملات میں)۔

آج جو شخص لوگوں سے ملے گا وہ ایسے لوگوں کو پائے گا جو مادی آمدنی کے اضافہ کے لئے یا مال کے ختم نہ ہونے والے ذرائع آمدنی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی پوری توجہ صرف کررہے ہیں اوراپنی عقل کی تمام صلاحیتیں لگارہے ہیں۔اگر آپ ان سے کسی علمی معاملہ میں گفتگو کریں گے

یا کسی نادر کتاب یا کامل حکمت یا انوکھی فکر کی طرف ان کو متوجہ کریں گے تو انہیں اس مردہ کی طرح پائیں گے جو اپنے گردوپیش کے لوگوں سے بےخبر ہوتا ہے، یہ لوگ زمین سے چپکے رہنے والے غلام بن جاتے ہیں، آسمان وزمین کے رب کے بندے نہیں رہتے۔ اگر ان کو اس دنیا کے تعلق سے کوئی دور کی امید بھی ظاہر ہو تو آپ انہیں دوڑنے والے گدھوں کی طرح پائیں گے اور اگر ان کو آخرت کے یقینی ثواب کی طرف بلائیں تو آپ ان کو مردہ جسم اور جامد عقل کا حامل پائیں گے۔

۲- اگر ہم احکامِ زکوۃ کے کسی فروعی مسئلہ میں اختلاف کے دلائل کے سلسلہ میں کتب فقہ کی ورق گردانی کریں، مثلاً صدقۂ فطر میں غلہ کے بجائے نقد نکالنے کے جواز کا مسئلہ (دیکھئے: تحقیق الآمال فی اخراج زکوۃ الفطر بالمال للامام الحافظ أبی الفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی، تحقیق وتعلیق نظام بن محمد صالح یعقوبی بحرینی، مطبوعہ بحر ۱۹۸۹ء، اس میں بتیس شرعی اور عقلی وجوہ، زکوۃ میں نقد نکالنے کی صحت پر موجود ہیں)۔

تو ہم ایسا عقلی شعور پائیں گے جس سے مسلمان کی عقل کو بہت سی خوشگوار وجوہ اور جامع علتوں کا علم ہوتا ہے، جس سے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ شرعی احکام کی تفصیلات میں ایسی چیزیں موجود ہیں کہ اگر مسلمان اس زندہ عقل کو جو پھیلے ہوئے شکوک وشبہات کے درمیان بحث کرنے والی ہے اچھی طرح استعمال کرے تو یہ اس کو اس کا اہل بنادیں گے کہ ساری انسانیت کی قیادت اس کی بھلائی کی طرف کرے، اور دنیا کی سربراہی اور آخرت کی شہادت کے درمیان ربط پیدا کرنے میں روح اور جسم کی ضروریات کو جمع کرنے میں ایک انسان اور اس کے بھائی کے درمیان توازن پیدا کرنے میں مسلم عقل کا امتیاز اور اس کی انفرادیت اور ایجادات وانکشافات میں اس کی سبقت برقرار رہے اور یہ چیز اس عقل کے بغیر برقرار نہیں رہ سکتی ہے جو اس زندگی میں انسان کی ذمہ داریوں سے پوری طرح واقف ہو۔

چوتھی فصل:

مردمومن کی عقل پر روزہ کا تربیتی اثر

انسان میں عقل ہی شرعی احکام کی بنیاد ہے اور اسی کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسے اپنی دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔ اسی کی وجہ سے اس نے اس امانت کا بوجھ اٹھایا ہے جس کے اٹھانے سے آسمان، زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا۔ عقل کو صحیح رُخ دینے اور روشن کرنے میں روزہ براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ درج ذیل صورتوں میں اس کی وضاحت ہوتی ہے:

۱- چونکہ روزہ کا مقصد تقوی حاصل کرنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لعلکم تتقون" (تا کہ تم متقی بن جاؤ) اور یہ تقوی مسلمان پر علم اور خیر کے دروازے کھولتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "واتقو الله ويعلمكم الله" (اور اللہ سے ڈرو، اللہ تم کو سکھائے گا)۔ نیز ارشاد باری ہے: "يؤتی الحكمة من يشاء ومن يؤت الحكمة فقد أوتی خيرا كثيرا وما يتذكر إلا أولوا الألباب" (البقرۃ:۲۶۹) (وہ جس کو چاہتا ہے حکمت دے دیتا ہے اور جس کو حکمت ملی اس کو بڑی دولت مل گئی اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں)۔

۲- روزہ انسان کی عقل کو بہت زیادہ نشاط اور سمجھنے کی قوت عطا کرتا ہے، اس لئے کہ جب پیٹ بھر جاتا ہے تو ذہانت رخصت ہوجاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: "البطنة تذهب الفطنة" (شکم پری ذہانت کو ختم کر دیتی ہے) جو زیادہ کھائے گا وہ زیادہ سوئے گا اور بہت سے خیر سے محروم ہوجائے گا، لہذا جو شخص علم کے ایسے اسباب حاصل کرنا چاہے جس کے ذریعہ اپنی

معلومات کووسیع کر سکے وہ بھر پیٹ نہ کھائے۔ اس لئے کہ جو شخص کھانے سے اپنا پیٹ بھرے گا بہت جلد اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں گے، وہ سستی کی طرف مائل ہوجائے گا اور لمبی نیند میں غرق ہوجائے گا۔ رمضان کے روزے اپنے آداب کے ذریعہ یعنی کھانے پینے میں کمی اور اسی طرح نفل روزے انسان کو کھانے پینے میں میانہ روی کا عادی بناتے ہیں جس کے ذریعہ انسان علم حاصل کرنے کے لئے زیادہ جاگنے اور صحیح سوچنے پر اپنی عقل کی کارکردگی اور نفس کی قدرت کی حفاظت کرتا ہے۔

۳- اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت کی کثرت یا تراویح وغیرہ کی نماز میں اس کا زیادہ سننا ان چیزوں میں سے ہے جو مسلمان مرد وعورت کے اندر علم کے اصول کو راسخ کردیتی ہیں۔ چنانچہ قرآن میں تجرباتی علم کے اصول، صحیح عقیدہ کے اصول اور قانون سازی کے مکمل قواعد اور پچھلی امتوں کے فرماں برداروں اور نافرمانوں کے واقعات ہیں۔ درحقیقت یہ عقل کی نشوونما کے بڑے سرچشمے ہیں۔

۴- روزہ کے الگ الگ احکام اسلامی عقل کی متوازن نشوونما میں بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل صورتوں سے ہوتی ہے:

الف- انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاملات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھے، صرف جذبات کی کسوٹ پر نہیں۔ اسی سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ جذبات کی شدت پر عقل کی لگام لگاؤ اور اسی وجہ سے ہمارے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جو روزانہ روزہ رکھنا چاہتے تھے یہ حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نہیں جانتے ہو کہ شاید تمہاری عمر لمبی ہوجائے، حضرت عبداللہؓ نے کہا: میں عمر کی اس منزل کو پہنچ گیا جس کی طرف نبی ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا، چنانچہ جب میں بوڑھا ہوگیا تو میری خواہش ہوئی کہ کاش میں نے نبی ﷺ کی رخصت کو قبول کرلیا ہوتا۔

ب- نبی ﷺ نے صوم وصال (مسلسل روزہ رکھنے) سے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں بخاری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صوم وصال سے پرہیز کرو (یہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا) عرض کیا گیا: آپ صوم وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میں اس حال میں رات گذارتا ہوں کہ مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ لہذا تم لوگ اپنے آپ کو ایسے اعمال کا مکلف بناؤ جس کی طاقت رکھتے ہو (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب التنکیل بمن أکثر الصیام، مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم ۱/۴۴۵)۔

درحقیقت انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت کو سمجھے اور اپنے کو اپنی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہ بنائے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها (البقرۃ:۲۸۶) (اللہ کسی پر ذمہ داری نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق)۔

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ مختلف مواقع پر معاملہ کرنے میں ایسی لچک اختیار کی جائے جس سے مقصد حاصل ہو جائے اور انسان اپنے آپ کو اس طرح ذلیل نہ کرے کہ اپنے آپ کو طاقت سے زیادہ کا مکلف بنائے پھر اخیر میں اس کی خود اعتمادی باقی نہ رہے، اسی وجہ سے یہاں اسی باب میں مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مہینہ میرے لئے طویل ہو جاتا تو میں ایسا صوم وصال رکھتا کہ مبالغہ کرنے والے اپنا مبالغہ چھوڑ دیتے (صحیح البخاری، کتاب الصیام، باب النھی عن الوصال فی الصوم (۱/۴۴۶))۔

ان غلو کرنے والوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہے کہ وہ حقیقت کی طرف لوٹیں، اپنی طاقت یا صلاحیت کا اندازہ کرنے میں مبالغہ نہ کریں اور اللہ کے دین میں جو آسانیاں موجود ہیں خود ان کے درجات کے اعتبار سے کسی غلو کے بغیر اللہ کے دین پر عمل کریں۔

ج- جب یہ لچک پائی جائے گی تو کوئی آدمی اپنے کو کسی دوسرے سے افضل نہیں سمجھے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو زیادہ جانتا ہے جو تقوی اختیار کرنے والا ہے۔ اسی لئے امام مسلم

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ ہم لوگ سترہ رمضان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کے لئے نکلے تو ہم میں سے بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ چھوڑ دیا۔ روزہ رکھنے والے نے روزہ چھوڑنے والے پر اور روزہ چھوڑنے والے نے روزہ رکھنے والے پر کوئی عیب نہیں لگایا (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب جواز الفطر والصوم فی شھر رمضان للمسافر (۱/۴۵۳))۔

د- بلاشبہ مسلمان کی عقل انتہائی لچکدار ہوتی ہے۔ وہ رمضان کے احکام میں پڑھتا ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز جس سے بچنا ممکن نہ ہو پیٹ میں داخل ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسے دھواں یا خوشبو یا وہ پانی جو کلی میں مبالغہ کئے بغیر بلا اختیار پیٹ میں داخل ہو جائے یا چھینکنے کے وقت یا غسل کرنے کے وقت کان کے راستے سے داخل ہو جائے یا شہوت کے بغیر کسی کی منی نکل آئے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ جس کو از خود قئی ہو جائے اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ جو شخص بھول کر کھالے یا پی لے وہ اپنا روزہ پورا کرے گا، اسی طرح آشوب چشم کی وجہ سے آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور علاج کے لئے حقنہ (ہر وہ دوا جو پیٹ صاف کرنے کے لئے مریض کے مقعد سے چڑھائی جائے) استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

یہ اور اس جیسے احکام مسلمان کی عقل کی خوشگوار، لچکدار، اور قوی تشکیل کرتے ہیں کہ وہ حدود کا لحاظ رکھتا ہے، عذر کو پہچانتا ہے اور ان حالات کی رعایت کرتا ہے جو ہر انسان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے مطابق عمل کرتا ہے۔

پانچویں فصل:

مردمومن کی عقل پر حج کا تربیتی اثر

حج کے کچھ اہم پہلو جن میں حج مردمومن کی عقل کی اصلاح کرتا ہے، حسب ذیل نکات سے واضح ہوتے ہیں:

۱- چونکہ یہ مسلم عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی کا تقوی علم کی وسعت کا سبب ہوتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''و اتقو الله و یعلمکم الله'' (البقرۃ:۲۸۲) (اور اللہ سے ڈرو، اللہ تم کو علم عطا کرے گا)۔

حج (بشرطیکہ اس کے ارکان وآداب پوری طرح ادا کئے جائیں) تقوی کا سبب ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

الف- یہ ضروری ہے کہ حج کے شعائر میں ان کی ادائیگی ان کی تعظیم کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالی کے فرائض اور اس کے نبی ﷺ کی سنتیں ہیں، اور یہ تقوی کا سبب ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ذلک و من یعظم شعائر الله فإنها من تقوی القلوب'' (الحج:۳۲) (یہ بات ہوچکی اور جو شخص اللہ کے شعائر کا پورا لحاظ رکھے گا تو یہ دل کے تقوی کی بات ہے)۔

ب- اللہ تعالی کا تقرب ان جامد افعال سے حاصل نہیں ہوسکتا جو تقوی سے خالی ہوں، حالانکہ تقوی پر ہی مقبولیت کا مدار ہے، اس لئے کہ ارشاد باری ہے:

"لن ینال الله لحومها و لا دماء ها ولکن یناله التقوی منکم" (الحج/۳۷)

(اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون بلکہ اس کو صرف تمہارا تقوی پہنچتا ہے)، نیز ارشاد باری ہے۔''إنما يتقبل الله من المتقين'' (المائدۃ/۲۷) (اللہ تو صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے)۔

ج- یہ ضروری ہے کہ حج کے لئے نکلنا تقوی کے ساتھ ہو۔ ارشاد باری ہے:''الحج أشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج وما تفعلوا من خير يعلمه الله و تزوّدوا فإن خير الزاد التقوى واتقون يا أولي الألباب'' (البقرۃ:۱۹۷) (حج کے متعین مہینے ہیں۔ پس جس نے حج کا عزم کرلیا تو پھر اس کو حج کے دوران نہ کوئی فحش بات کرنی ہے اور نہ گناہ کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی اور جو نیک کام کروگے اللہ اس کو جان لے گا، تم زادِ راہ ساتھ رکھ لیا کرو، بہترین زادِ راہ تقوی ہے اور اے عقل والو! تم مجھ ہی سے ڈرو)۔

د- یہ ضروری ہے کہ رمی جمار (کنکری مارنے) کے لئے منٰی کے ایام میں تاخیر کرنا تقوی کے ساتھ ہو، اس لئے کہ ارشاد باری ہے:''واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون'' (البقرۃ/۲۰۳) (اور اللہ کو یاد کرو مقررہ دنوں میں، پھر جو شخص جلدی کرکے دو دن میں مکہ واپس آجائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تم اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے)۔

یہ اور اس طرح کی دیگر نصوص سے حج اور تقوی کے درمیان مضبوط تعلق میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور یہ علم کو وسیع کرنے میں اللہ تعالی کے فیوض وبرکات کا سبب ہے۔

۲- حج اپنے بعض احکام میں صالح مسلمان کی عقل کے انتہائی ممتاز ہونے کی نمائندگی

کرتا ہے۔جس میں غور وفکر کرنا ایمان کی بڑی بنیاد ہے اور جب وہ اس یقین کو پہنچ جاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے جھکا دیتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے احکامات کو قبول کرتا ہے اور اس کو نافذ کرتا ہے، اگر چہ جس شعار کو وہ ادا کر رہا ہے عقل اس کی حکمت اور مقصد کو نہ سمجھ سکے۔اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کی روایت بخاری ومسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرؓ سے کی ہے کہ وہ حجر اسود کے پاس آئے، اس کو بوسہ دیا اور کہا: میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہوتا تو میں تمہیں بوسہ نہیں دیتا (اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان: کتاب الحج، باب استحباب تقبیل الحجر الاسود (۷۹۹)، سنن الدارمی، کتاب المناسک، باب فی تقبیل الحجر: ۱۸۶۴))۔

سیدنا عمرؓ اس عقیدۂ توحید کے خالص ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالی ہی نفع اور نقصان پہنچانے والا ہے اور اسی کے قبضہ میں تمام امور ہیں۔پتھر کائنات کی کسی چیز میں بذاتِ خود کچھ کرنے کی طاقت وقوت نہیں رکھتے ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ اسے لوگوں کی زندگی میں مقدس سمجھا جائے۔لیکن حجر اسود کو بوسہ دینا محض رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ہے جو اپنی خواہش کے زیر اثر کوئی بات نہیں کہتے تھے بلکہ ان کے پاس وحی آتی تھی جسے وہ اپنی امت کو پہنچاتے تھے۔

یہ طرز فکر اسلامی عقل کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ایک مسلمان کائنات میں عقل کے ذریعہ غور وفکر کر کے اور وحی کو دل سے تسلیم کر کے ایمان کے اس حسین امتزاج تک پہنچتا ہے جس میں وہ انسان کی زندگی کو نفع پہنچانے والی چیزوں میں آزادی عقل سے مستفید ہوتا ہے اور جس کی حکمت کے سمجھنے سے عقل عاجز ہو اس میں آزادی عقل کا استعمال نہیں کرتا اور بہر حال حکم کی تعمیل کرتا ہے، اس لئے کہ وہ اس خدا کی طرف سے ہے جو اس دنیا کا آقا ہے یا اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ہے جس پر اس نے وحی نازل کی ہے۔جس کو اس کی

عقل سمجھ لے اس میں وہ پر جوش نہیں ہوتا اور جس کو سمجھنے سے اس کی عقل قاصر رہ جائے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا ہے۔

۳- حج کے احکام میں ایسی وسعت اور لچک ہے جو مسلمان کی عقل کو اس ممتاز سانچے میں ڈھال دیتی ہے اور وہ لچک، وسعت نظری، لوگوں پر آسانی کرنا اور ان کو ایسی چیز پر مجبور نہ کرنا ہے جو حرج کا سبب اور انتہائی مشقت اور سخت تنگی کا باعث ہو۔ ان احکام میں سے چند حسب ذیل ہیں:

الف- اللہ تعالی نے محرم کے لئے ایام حج میں تجارت کو مباح قرار دیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی جانتا ہے کہ اس کے بعض بندے ایسے ہیں کہ ایام حج میں بھی حلال مال میں اضافہ کی رغبت ان سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے تجارت کو مباح قرار دیا۔ اس سلسلے میں تفسیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ لوگ شروع حج میں منی، عرفہ، ذی المجاز کے بازار میں خرید وفروخت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کو احرام کی حالت میں خرید وفروخت کرنے سے اندیشہ ہوا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: "لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم" (البقرہ/ ۱۹۸) (اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو) (دیکھئے: فتح القدیر للشوکانی ۱/ ۲۰۳، احکام القرآن للجصاص ۱/ ۳۸۶)۔

اس سے شرعی احکام اور فطری حاجتوں کے درمیان مکمل مطابقت کا علم ہوتا ہے اور اس صحیح دینداری کی شکل معلوم ہوتی ہے جو انسان کے نفس کی صحیح خواہشات کو نہیں دباتی ہے تا کہ وہ رہبانیت میں مبالغہ نہ کرے، بلکہ یہ دین حنیف ہے جو ہر صحیح اور فطری رغبت کو کسی کمی بیشی کے بغیر پورا کرتا ہے۔

ب- احرام کے مباحات سے اس سابق معنی کی تائید ہوتی ہے (ان مباحات کے لئے دیکھئے: کتاب "الإیضاح" للشافعی ۳/ ۲۸۷- ۳۸۳، نیز "فقہ السنۃ" للشیخ سید سابق ۱/ ۷۷-۲-۴۷۲) جیسے

غسل کرنا، چادر اور ازار بدلنا، بھول کر سر ڈھانکنا اور عورت کا بھول کر یا فتنہ سے بچنے کے لئے اپنا چہرہ ڈھانکنا یا پھوڑے پھنسی کو پھوڑنا، دانت کا نکالنا یا ضروری آپریشن کرنا، سر اور بدن کو کھجانا، آئینہ دیکھنا، خوشبو سونگھنا، اپنی رقم کی حفاظت کے لئے محرم کی کمر میں تھیلی باندھنا، انگوٹھی پہننا، سرمہ لگانا، محرم کا چھتری، خیمہ یا چھت کے سایہ میں آنا، مہندی کا خضاب لگانا، تنبیہ کے لئے خادم کو مارنا، پانچ موذی جانوروں نیز ہر ایذاء پہنچانے والے جانور کو قتل کرنا۔ یہ مباحات ہماری اسلامی شریعت میں انتہائی لچک ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو ہر اس چیز کو مباح قرار دیتی ہے جو انسان کے لئے ضروری ہو اور اس میں اس کا نفع ہو، یہاں تک کہ اس احرام میں بھی جس میں اصل، افعال کو ممنوع قرار دینا ہے، لیکن ممنوع ہونے کا تعلق صرف ان افعال سے ہے جو ضروریات سے زائد ہوں۔ جن ضروریات سے کوئی چارۂ کار نہیں ہے، ان کے لئے اباحت باقی رہتی ہے۔

ج - ہم نے جو پہلے حج کے احکام کی آسانیاں ذکر کی ہیں یعنی رمی جمار میں مزاحمت نہ کرنا، یا جس شخص کو جوئیں ایذاء پہنچائیں یا جس کے سر میں خارش ہو جائے اس کے لئے سر منڈا کر فدیہ ادا کرنے کا جواز، طواف اور سعی میں مریضوں اور اپاہج لوگوں کے لئے سوار ہونے کی اجازت، کمزور بچوں اور عورتوں کو فجر سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہونے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت اور رمی جمار میں دوسروں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم، چرواہوں اور پانی پلانے والوں کو رمی جمرات کے لئے منیٰ میں رات گذارنے کی رخصت اور ضروری مصلحت والوں کو ان پر قیاس کرنا، ان احکام میں لوگوں کے جذبات کی رعایت کی گئی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کسی بھی معاملہ میں اس طرح عقلی لچک اختیار کر سکتا ہے جو جمود اور تنگی سے خالی ہو، جس کو بعض کم علم اور تنگ نظر لوگ اختیار کرتے ہیں جن کو کھوکھلا جوش اپنے آپ کو یا لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

د- عید کے دن مناسک کی ترتیب میں لوگوں سے حرج کو دور کرنا ان چیزوں میں سے ہے جو اسلامی عقل کی لچکدار تعمیر میں شریک ہیں۔ اسی مفہوم میں وہ حدیث ہے جس کی روایت امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے کی ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ منٰی میں لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور لوگ آپ ﷺ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ چنانچہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نہیں سمجھ سکا اور قربانی کرنے سے پہلے حلق کرا لیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: قربانی کرلو کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نہیں سمجھ سکا اور رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے رمی کرلو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: کسی بھی چیز کے مقدم یا مؤخر کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کرلو، کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ آخری عبارتیں سلسلہ رفع حرج کے سلسلہ میں اسلام کے پیغام اور اس کے اغراض ومقاصد کی مکمل نمائندگی کرتی ہیں اور ضروری ہے کہ جو لوگ مختلف مقامات میں اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں ان میں سے اکثر اس کو بیان کریں تاکہ لوگوں کے سامنے اسلام کو اس طرح پیش کریں جس طرح اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کوئی ایسا تشدد اختیار نہ کریں جس سے اسلام کی بری تصویر سامنے آئے اور اس سے لوگوں میں نفرت پیدا ہو۔ اگر اسلام کو اس کی صحیح روح کے ساتھ پیش کیا جائے تو تمام اہل مشرق ومغرب اس کے گرویدہ ہوں گے، اسی وجہ سے میرا خیال یہ ہے کہ دوسروں سے زیادہ خود مسلمان اسلام کے بارے میں اس غلط فہمی کے ذمہ دار ہیں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں میں پائی جاتی ہے۔

۴- بعض نصوص شرعیہ سے فقہی اختلافات کے ساتھ معاملہ کرنے میں وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے۔ اسی قبیل سے وہ اثر ہے جس کی روایت امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت

عبد اللہ بن مسعودؓ سے کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے (عرفہ کے دن) نبی کریم ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بھی دو رکعت اور حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی دو رکعت پڑھی، پھر تمہارے راستے الگ ہو گئے۔ کاش مجھے چار رکعت کے بجائے دو رکعتیں نصیب ہوتیں جو مقبول ہوتیں" (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الصلاۃ بمنی (۱۶۵۷))۔ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کی اتباع کی اور جس چیز کا وہ اعتقاد رکھتے تھے اس کی خبر دی (فتح الباری لابن حجر ۳/۵۹۵)۔

اس سے بیک وقت دوسری رائے پر عمل کرنے کے سلسلہ میں عقلی اور اخلاقی طریقہ کار معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ اتباع اندھی تقلید نہ ہو یا مقلد ہر رائے کی پیروی کرنے والا نہ ہو جائے، بلکہ یہ راجح رائے کو چھوڑ کر مرجوح رائے کو اختیار کرنے کی ایک قسم ہے۔ لیکن ہر ایک کے پاس دلائل ہیں جن کا احترام ضروری ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کا اپنے مخالفین کی رائے کا احترام کرنا خود اپنی عقل کا احترام کرنا بھی ہے۔ اس لئے کہ وہ غور وفکر کرنے والی عقل کا احترام کر رہا ہے، یعنی اس عقل کا جو کسی رائے کو ترجیح دیتی ہے پھر اس کو اختیار کرتی ہے اور اس سے اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ ایسی عقل ہے جس کا احترام کرنا ضروری ہے، خواہ اس کے اور دوسرے کے درمیان اختلاف کی خلیج کتنی ہی وسیع ہو۔

۵- بعض شرعی نصوص اختلافی امور میں، نہ کہ کٹ حجتی میں، عقل کی رہنمائی کرتی ہیں، یہ وہ امور ہیں جن میں کوئی دینی یا دنیوی نفع پوشیدہ ہو، محض غیر مفید علم میں اضافہ کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جس کی روایت بخاری ومسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہذا تم حج کرو"۔ تو کسی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ہر سال؟ آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''جو چیز میں تم سے نہ بیان کروں اس کے بارے میں مجھ سے مت پوچھو تم سے پہلے کے **لوگ** صرف اپنے انبیاء سے سوال اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، لہذا اگر میں تم کو کسی کام سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو، اور اگر تم کو کسی کام کا حکم دوں تو استطاعت کے بقدر اس کو انجام دو'' (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر (۸۴۶) دیانتداری کا تقاضہ ہے کہ میں بتادوں کہ مذکورہ روایت نبی ﷺ کے قول: "دعونی ما ترکتم" سے شروع ہے۔ اس سے پہلے کا مضمون دوسری روایات اور اس باب کے عنوان سے لیا گیا ہے)۔

ہر سال حج کی فرضیت سے متعلق اس سوال سے نبی ﷺ نے محسوس فرمایا کہ یہ سوال کرنے کا وہ طریقہ ہے جسے وہ **لوگ** اختیار کرتے ہیں جو عمل سے زیادہ گفتگو کرتے ہیں، جھگڑا زیادہ کرتے ہیں، عمل کم کرتے ہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کو منع فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کام پر عمل کرنا ہو اور جس کام میں کسی خاص انسان کو یا اس کے آس پاس کے **لوگوں** کو فائدہ ہو یا جس کام میں مسلمان کی دنیا یا آخرت میں زیادہ ترقی ہو اس میں بحث اور غور وفکر کا کیا طریقہ ہے۔

چوتھا باب:

مردمومن کے جسم پرعبادات کا تربیتی اثر

مردمومن کے جسم پرعبادات کاتربیتی اثر

جسم ہی اس دل کے لئے جوایمان سے لبریز ہویا جس پرشیطان کاغلبہ ہواور اس عقل کے لئے جوحقائق سے یا اوہام سے پُرہومحسوس اور مادی ظرف ہے۔یہی مکارم اخلاق کو یا برے اوررسواکن اخلاق کر بروئے کارلاتا ہے۔جسم کےنشاط اور اس کی زندگی سے اللہ کے بندوں میں خیر کی پوشیدہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں یا شیطان کے بندوں میں نفس کی خواہشات کے نیچے دب جاتی ہیں۔

یہ ثابت شدہ اوریقینی حقیقت ہے کہ آسانی شریعتوں کے احکام عام طور پر اور اسلام کے احکام خاص طور پر ان چیزوں میں جسم کی ضروریات اوران کی تکمیل کا انتہائی اہتمام کرتے ہیں جن میں اس کوکوئی بڑا ضرریا نا قابل دفاع شرلاحق نہ ہو۔اس سےصرف کچھ فرائض یامحرمات مستثنیٰ ہیں۔البتہ جسم کی ضروریات کا اوران چیزوں کا احاطہ جوعقل اورروح کی ضروریات کونظر انداز کئے بغیر جسم کے لئے نفع بخش ہوصرف انسان کاخالق ہی کرسکتا ہے۔جوانسان اپنی بناوٹ ،جسمانی ساخت،صلاحیت اورخواہشات میں عجیب وغریب ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير'' (سورۃ الملک:۱۴)(کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اوروہ باریک بیں اورخبر رکھنے والا ہے)۔

نئی تہذیب نےجسم کی ضروریات کی تکمیل اوراس کے لئے آرام وآسائش فراہم کرنے کی راہ میں زبردست پیش قدمی کی ہے،خواہ اس کاتعلق اس کے کھانے پینے کی اشیاء سے ہویا سواری یامکان سے،چنانچہ انسان اپنےنرم بستر پر لیٹے ہوئے ایک بٹن دباتا ہےتاکہ بتی جلائے یا

بجھائے اور دوسرا بٹن دباتا ہے جس کے ذریعہ وہ کسی انسان کو دور دراز مقام پر چاند پر پہنچا دیتا ہے۔تیسرا بٹن دباتا ہے تاکہ اپنے لئے پانی گرم کرے یا اس کا کھانا سامنے آجائے۔چوتھا بٹن دباتا ہے تاکہ اپنا بال مونڈے یا اپنے دانت دھوئے اور کبھی بٹن دباتا ہے جس سے اس کے لئے گاڑی کا یا گھر کا دروازہ کھل جاتا ہے یا عورت کوئی بٹن دباتی ہے تاکہ کپڑے صاف اور خشک ہوکر نکل آئیں اور اس طرح انسان سمجھتا ہے کہ اس نے ہر قسم کی راحت اور آسائش حاصل کرلی ہے، اسے اس کا احساس نہیں کہ جب وہ جسم کی آسودگی میں حد سے بڑھے گا تو اس کی صلاحیتیں ختم ہوجائیں گی، اس کی طاقتیں پژمردہ ہوجائیں گی اور اس کے قویٰ مضمحل ہوجائیں گے،جسم کو آسودہ کرنے میں پاگل بنادینے والی حرص وہوس کے ساتھ روح ایمان کی توانائی سے اور عقل راسخ عقیدہ، اخلاق اور مذہب سے خالی ہوجاتی ہے، پھر انسان اپنے وجود میں ایک بدصورت حیوان بن جاتا ہے جس کا مقصد عمدہ سواری،لذیذ کھانا،خوشگوار مشروب،نرم بستر اور خوبصورت عورت کا حصول ہوجاتا ہے۔جب وہ ان چیزوں کو حاصل کرلیتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ اس نے سراب حاصل کرلیا ہے اور سرکش رغبت اور غالب ہوجانے والی خواہشات نفس کی حرارت کے ساتھ سعادت بھاپ بن کر اڑ جاتی ہے۔آج انسان ایک دوسرے سے سوال کرتا ہے کہ دنیا کی سعادت کہاں ہے؟ حالانکہ وہ آخرت کی نعمتوں سے غافل ہے۔اس کا جواب صرف اسلام اور اس کے احکام کی پابندی میں ہے،تاکہ انسان کے اندر پائی جانے والی ہر صلاحیت کو اس کا حصہ مل جائے اور مسلمان کی زندگی روح، اخلاق،عقل اور جسم کے اعتبار سے متوازن ہوجائے۔اسی معنی میں ڈاکٹر امین خولی کہتے ہیں: اسلام کا فلسفہ خالص روحانی زندگی کی راہ میں جسم کو مغلوب کرنے، اس کو اس کی شان سے گرانے اور ذلیل کرنے کی دعوت نہیں دیتا ہے، یہ دنیاوی زندگی کی زینت کو حرام قرار نہیں دیتا، جیسا کہ ترک دنیا کے سلسلے میں راہبوں کی ایک جماعت نے کیا ہے۔انہوں نے جسم کو بیکار چھوڑ دیا اور اس کے فطری اور طبعی حقوق ادا نہیں کئے اور اس سلسلہ میں اس قدر غلو

اور مبالغہ کیا کہ جسم کو طرح طرح کے عذاب کا مزہ چکھانے لگے۔ اس کے نتیجہ میں انسان کے فطری روحانی اور جسمانی توازن میں خلل پیدا ہوگیا (الریاضۃ والحضارۃ الاسلامیۃ للشیخ امین انور الخولی)۔

ایسی صورت میں اسلام ہی وہ معتدل خدائی راستہ ہے جو جسم کو نہ تو خواہشات کی کیچڑ میں غرق ہونے دیتا ہے اور نہ زیب و زینت اور حلال چیزوں سے محروم کرتا ہے۔ ذیل میں ہم دیکھیں گے کہ عبادات جو اعلی درجہ کے روحانی شعار ہیں کیسے جسم کو وہ قوت عطا کرتی ہیں جس سے زندگی میں اس کی کارکردگی دوچند ہوجاتی ہے۔

پہلی فصل

مردمومن کے جسم پرطہارت کاتربیتی اثر

طہارت کے احکام میں بہت سے ایسے پہلو ہیں جومردمومن کے بدن کی اصلاح کا سبب ہیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- حدث یا نجاست سے صفائی حاصل کرنے کا نام طہارت ہے۔جیسا کہ علامہ کاسانی نے اس کی تعریف کی ہے (بدائع الصنائع للکاسانی ۱/۳)۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ کہتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ شرعی طہارت کی دوقسمیں ہیں: حدث سے طہارت اور نجاست سے طہارت (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن رشد ۱/۷)۔

یہ طہارت اپنے لغوی اورشرعی معنی کے اعتبار سے موجودہ زمانہ کی جراثیم کشی کی اصطلاح سے بڑھ کر ہے، استاذمحمد کامل عبدالصمد لکھتے ہیں: تاریخ نے ثابت کردیا ہے کہ اسلام ہی وہ پہلا علمی نظام ہے جس کو انسان نے دریافت کیا ہے، جو جراثیم کشی کا حکم دیتا ہے اورگندگی سے جنگ کرتا ہے، کیا اسلام نے آلودہ چیز یا جراثیم کی حامل چیز پر لفظ نجاست کا اطلاق نہیں کیا ہے؟ اس نے علمی اسلوب اختیار کیا ہے اوراس کی تحدید تیرہ مادوں میں کی ہے، یہ وہی مادے ہیں جو ہمارے نئے دورمیں وسطی مادے یا جراثیم کومنتقل کرنے والے مادے کہے جاتے ہیں۔انہیں میں سے پیپ، بہنے والا خون، پاخانہ، پیشاب، قئی، کتے کا لعاب، سور کاجسم اورہر بدبودار چیز ہے جیسے مردہ جانور کے باقی ماندہ اجزاء۔علم جدید نے ثابت کردیا ہے کہ یہ تمام مادے جراثیم کے

بڑھنے اور ان کی نشوونما کے مناسب ذرائع ہیں .... اسلام نے واضح کیا ہے کہ ان میں سے کوئی مادہ انسان کے جسم یا کھانے پینے یا جگہ کو لگ جائے یا کھانے کے رنگ یا بو یا مزہ کو بدل دے تو یہ زندہ مؤثر جراثیم کے پائے جانے کی علامت ہوگی اور اس کی وجہ سے وہ دین کی نگاہ میں ناپاک ہوجائے گا اور طب جدید کی نگاہ میں ملوث ہوجائے گا اور قرآن کریم نے اس نجاست کو ''رجس'' (پلیدی) اور ''رجز الشیطان'' (شیطان کی گندگی) کہا ہے (الاعجاز العلمی فی الاسلام مؤلفہ محمد کامل عبد الصمد/ ۱۶-۱۵، الطب الوقائی فی الاسلام/ ۱۷-۱۸)۔

۲- اسلام نے حسی طہارت کو واجب قرار دیا ہے اور معنوی طہارت کی ترغیب دی ہے، ان باطل عقائد کو لغو قرار دیتا ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ روح کو طاقتور بنانے کے لئے بدن سے مکمل طور پر لاپرواہی برتنا ضروری ہے، یہاں تک کہ بعض خود ساختہ مذاہب یا تحریف شدہ مذاہب میں مقدس گندگی کی اصطلاح رائج ہے جس کی تعریف مسیحی یا ہندو مذہب میں رہبانیت کے بعض نظام نے کی ہے۔ چنانچہ جو راہب نظافت اور پاکیزگی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں وہ اصلی دینی طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ بدن سے غفلت برتنا بلکہ اس کی نظافت سے قصداً لاپرواہی برتنا نماز میں روحانی عنصر کو طاقتور بناتا ہے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ سچی نماز ہوگی، اسی وجہ سے اس نے ہر قسم کی نظافت یا بدن کی طرف توجہ کرنے سے چھٹکارا حاصل کرلیا ہے۔ جیسا کہ بوسینا کے صدر ''علی عزت بیگوویچ'' نے اس کو ذکر کیا ہے (الاسلام بین المشرق والمغرب/ ۲۹۳)۔

لیکن اسلام نے ان تمام گندگیوں سے طہارت کے حصول کو ضروری قرار دیا ہے، اس کی ترغیب دی ہے اور اس کو روح کی صفائی، نفس کی پاکیزگی اور دل کے انشراح کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہم روحانی اور جسمانی طہارت کے درمیان امتزاج اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں پاتے ہیں: "إن الله يحبّ التوابين ويحبّ المتطهرين" (البقرۃ:۲۲۲) (بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور وہ دوست رکھتا ہے خوب پاک رہنے والوں کو)۔ طہارت کا مادہ قرآن کریم میں اکتیس

(۱۳۱)مرتبہ اس طہارت حسی اور معنوی کے درمیان امتزاج کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

۳-طہارت کا حکم مسلمان مرد وعورت کے جسم میں ان تمام مقامات سے متعلق ہے جو جراثیم، بیکٹیریا (Bacteria) اور وائرس (Virus) کے پناہ لینے اور ان کے بڑھنے کے لئے مناسب جگہیں ہوسکتی ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱-پانی یا ڈھیلے یا پتھر وغیرہ سے نجاست کو دور کرنا اور اسی کے ساتھ ساتھ بار بار موئے زیر ناف کو صاف کرنا۔ اس لئے کہ حدیث ہے جس کی روایت بخاری ومسلم وغیرہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں: ختنہ کرنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، مونچھ کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھاڑنا (صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب الختان بعد الکبر ونتف الابط (۶۲۹۷)، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، سنن أبی داود، کتاب الترجل، باب فی أخذ الشارب، ترمذی، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار من أبواب الأدب، الموطا، کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی السنۃ من الفطرۃ ۹۲۱/۲، المسند ۲۲۹/۲)۔ اسی طرح وہ حدیث جس کی روایت مسلم اور ابوداؤد نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: ''دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں: مونچھ کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن تراشنا، انگلیوں اور ہاتھ پیر کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف صاف کرنا اور پانی سے استنجاء کرنا۔ بعض راویوں نے کہا حضرت عائشہؓ دسویں چیز بھول گئیں ہوسکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ)۔

اسی بنا پر استنجاء کرنے اور موئے زیر ناف صاف کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ پیشاب پاخانہ کی تمام گندگیوں اور خاص طور پر موئے زیر ناف میں پلنے اور بڑھنے والے جراثیم کو دور کیا جاسکے جہاں پسینہ کے ساتھ میل جمع ہوتے ہیں، جو اس کو انسان کے اندر ان جراثیم کے لئے زرخیز مقام بنادیتے ہیں جو جلدی اور تناسلی امراض کا سبب ہوتے ہیں۔ یہ اس بدبو کے علاوہ ہے

جس سے دوسروں کے احساسات کو ان لوگوں کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے جو ہمیشہ پاخانہ پیشاب کے بعد استنجاء کرنے کے عادی نہیں ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں اہلِ مغرب اور ان کی تقلید کرنے والے اہلِ مشرق سے خیرہ ہورہی ہیں، جو استنجاء نہ کرنے اور اپنی شرم گاہوں کو کاغذی رومالوں (Tisshupapers) سے پوچھ لینے پر اکتفاء کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کچھ مدت کے بعد ان کے جلدی تناسلی امراض دوچند ہوجاتے ہیں، اس لئے کہ صرف پانی ہی پاک کرنے والا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و أنزلنا من السماء ماء طهورا" (الفرقان/۴۸) (اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی برسایا)۔

جو شخص کسی وجہ سے ایک بار یا دوبار سفر میں یا پانی کے ختم ہوجانے کی صورت میں پانی نہ پائے تو اس طرح کے ہنگامی حالات میں (استنجاء کے لئے) پتھر استعمال کرے گا اور مٹی جو کہ حقیقی طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اگر یہ بھی نہ ملے تو کاغذی رومال کا استعمال کرنا عارضی امر کے طور پر ہوگا، دائمی حالت کے طور پر نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز استعمال ہی نہ کرے۔

اسی وجہ سے اہلِ یوروپ کا جب مسلمانوں سے اختلاط ہوا تو مسلمانوں کی صفائی، ستھرائی کی شدید خواہش نے ان کو حیرت میں مبتلا کردیا، عیسائیوں نے اس صفائی ستھرائی کو پسند کیا اور (مسلمانوں سے) اظہارِ نفرت کے اس نعرہ کے باوجود جو ہر جگہ گونج رہا تھا اس کو یوروپ میں داخل کیا۔ یہ ان کی طرف سے مشرق میں پائی جانے والی طہارت و نظافت کی بعض عادتوں کو مغرب میں منتقل کرنے کی کوشش تھی۔ مشرق میں نظافت کی علامتوں میں سے ایک عام غسل خانوں کی کثرت ہے جن میں گرم اور ٹھنڈا پانی موجود رہتا ہے۔ یہاں تک کہ صرف مصر میں ایک لاکھ ستر ہزار عام غسل خانے تھے (الاسلام والرعاية الصحية الأولية، ڈاکٹر عزالدین فراج ص۔۱۳)۔

میں نے رومانیہ میں ایک مسلمان ڈاکٹر کو جو عورتوں کے امراض کے اسپیشلسٹ تھے، دیکھا کہ ان کی عمر زیادہ ہوگئی ہے اور انہوں نے شادی نہیں کی ہے، میں نے ان سے ان عظیم

فتنوں کے باوجود شادی میں تاخیر کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کو اپنے اس پیشہ کی وجہ سے عورتوں سے سخت نفرت ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ کوئی عورت پاؤڈر اور عطر لگا کر آتی ہے اور جب وہ علاج کی غرض سے اپنے کپڑے اتارتی ہے تو مجھے انتہائی بدبو کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ہر عورت کے تعلق سے میرے احساسات کو مجروح کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک دو کی حالت نہیں ہے بلکہ اکثر عورتوں میں یہ صورتِ حال پائی جاتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ چیز غیر مسلم عورتوں میں پائی جاتی ہے، اس لئے کہ مسلمان مرد و عورت کے نزدیک طہارت کا واجب ہونا ان کو ان گندگیوں اور میل کچیل سے پاک وصاف کر دیتا ہے جو انسان میں اسلام کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے پائے جاتے ہیں۔

۲- عام طور پر زیرِ ناف اور بغل میں ایک خاص قسم کی جوں ظاہر ہوتی ہے جس کو زیرِ ناف کی جوں کہا جاتا ہے۔ یہ براہِ راست چھونے سے یا گندے استنجاء خانوں سے منتقل ہوتی ہیں اور ایک قسم کی چبھن یا سخت کھجلی پیدا کر دیتی ہیں جس میں کھجلانے سے مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ جوں بعض امراض کو بھی منتقل کرتی ہیں، جن میں سرفہرست مرض ''ٹیفوس'' ہے اور عجیب بات ہے کہ یہ جوں موئے زیرِ ناف کے مونڈنے یا بغل کا بال صاف کر دینے سے مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے (الاعجاز العلمی فی الاسلام، ۱۵۳)۔

۳- ناخن تراشنا ایک اسلامی طریقہ ہے اور سننِ فطرت میں سے ایک سنت ہے۔ اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے۔ اس سے مسلمان مرد و عورت کی وضع قطع اور اسلامی رنگ کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ بات علمی طور پر ثابت شدہ ہے کہ کچھ امراض ایسے ہیں جنہیں ہاتھ ان ناخنوں کے ذریعہ منتقل کرتا ہے جن کے اندر وہ جراثیم موجود ہوتے ہیں جو ٹائیفائڈ، دوسنتاریا اور آنتوں کی مختلف بیماریاں پیدا کرتے ہیں (حوالۂ سابق)۔

لیکن جو مسلمان پانچ مرتبہ وضو کرتا ہے اور سب سے پہلے ہاتھ دھوتا ہے، پھر ہر عضو کو

دھونے کے ساتھ بھی اپنا ہاتھ دھوتا ہے اور ہمیشہ ناخن تراشنے کا اہتمام کرتا ہے وہ ان امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان جس میں ذرا سا بھی اعتدال ہو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرے گا کہ اس طریقہ پر اپنے کسی بھی ناخن کو باقی رہنے دے، اگرچہ وہ غیر مسلم ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ شوہروں کا احساس کیسے مردہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو ناخنوں کے بڑھانے میں اہلِ مغرب کی تقلید کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، یہاں تک کہ ناخن کھڑکی کے طرح ہو جاتے ہیں اور ان کو ایسے رنگوں سے رنگتی ہیں جو وضو کو باطل کرنے والے اور گندگی کا سبب ہوتے ہیں۔ وہ استنجاء کے لئے جاتی ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے ہاتھ میں بہت سے جراثیم لے آتی ہے پھر اپنا وہ ہاتھ کھانے میں داخل کرتی ہے جس سے اس کے شوہر، اولاد اور مہمانوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ چیز مغرب کی بری عادتوں اور بد اخلاقیوں میں اندھی تقلید کی وجہ سے ہوتی ہے۔

لیکن اسلام میں تمام ناخنوں کو تراشنا واجب ہے۔ چھوٹی بڑی انگلی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ہاتھ کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے شرم گاہ کو نہ چھوئے، یہ وضو کی سنتوں اور اس کے آداب میں سے ہے۔ اس بارے میں امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی پیشاب کی حالت میں اپنے عضوِ تناسل کو داہنے ہاتھ سے ہرگز نہ چھوئے'' (صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن الاستنجاء بالیمین)۔ اسی طرح استنجا بائیں ہاتھ سے کرے اور اگر پانی بہانے کی ضرورت ہو تو دائیں ہاتھ سے بہائے، یہ اس لئے کہ داہنا ہاتھ مصافحہ کے لئے دوسروں کی طرف بڑھایا جاتا ہے اور اسی ہاتھ سے لوگوں کو چیزیں دی جاتی ہیں، اسی سے مسلمان کھانا کھاتا ہے اور پانی اپنے منہ تک لے جاتا ہے، لہٰذا اس کو ہر قسم کی ایسی گندگی سے محفوظ رہنا چاہیے جو آدمی کے پیٹ میں یا دوسروں کے بدن میں سرایت کرے بلکہ یہاں پر زیادہ احتیاط ہے، یعنی سونے کے بعد ہر وضو سے پہلے اور ہر کھانے سے پہلے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے۔ اس لئے کہ بخاری اور

مسلم نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوتو اپنے ہاتھ کو وضو کے پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھولے اس لئے کہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا ہے کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے (صحیح بخاری، کتاب الطھارۃ، باب کراہۃ غمس المتوضی یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء)۔ بسا اوقات سونے والا غیر شعوری طور پر اپنے ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو چھوتا ہے۔ بیداری میں بھی ہاتھ ہی حرکت میں رہتا ہے اور چیزوں کو پکڑتا ہے اور کبھی وہ چیزیں گندگی میں ملوث رہتی ہیں۔ لہذا مسنون ہے کہ اس کو اپنے منہ میں داخل کرنے یا اس سے اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھونے یا سر اور دونوں پیر پر مسح کرنے سے پہلے اس کو ان گندگیوں سے صاف کرلے جو ممکن ہے کہ اس کے ہاتھ میں لگ گئی ہوں۔

۴-قضائے حاجت کے آداب میں سے یہ ہے کہ عام راستوں میں، سایہ میں، ٹھہرے ہوئے پانی میں یا پھلدار درختوں کے نیچے پیشاب یا پاخانہ نہ کرے، جیسا کہ علامہ نووی نے کہا ہے (المجموع للنووی ۸۷/۱)۔ اس سلسلہ میں مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لعنت کا سبب بننے والی دو چیزوں سے بچو، صحابہ نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! لعنت کا سبب بننے والی دو چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو عام راستوں میں اور سایہ میں پاخانہ یا پیشاب کرے'' (صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن التخلی فی الطرق والظلال)۔

نیز مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب النھی عن البول فی الماء الراکد، الجامع الصحیح للامام الربیع (۱۶۳)، علامہ ابن حزم نے جو جاری پانی میں پیشاب کرنے کی اجازت دی ہے اس پر شیخ سالمی نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ منع کرنے کی

حکمت ناپاک کرنے کے علاوہ بھی ہے (معارج الآمال للسالمی ۳/۱۰۱-۹۸)۔

ان نصوص میں ایک طرف ہر مسلمان شخص کے اخلاقی احساسات کو ترقی دینا ہے کہ نہ وہ دوسرے کو تکلیف پہنچائے اور نہ دوسرے سے تکلیف اٹھائے۔ دوسری طرف اس میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم اپنے جسم کو ان امراض سے بچائیں جو لوگوں کو اس وقت لاحق ہوتے ہیں جب یہ نجاستیں ان کے جسم میں لگ جاتی ہیں، چنانچہ کبھی کبھی انکلستوما (ایک دبلا لمبا کیڑا Hook Warm) کے کسی مریض کا پاخانہ اس کے مرض کو ان لوگوں کی طرف انکلستوما (Hookwarm) کے لاروے (Larvae) کے ذریعہ منتقل کردیتا ہے اور مسلح منھ والے جو تیز دانت کے مشابہ ہوتے ہیں، یہ آنتوں کے پردہ کو نوچتے ہیں اور زخم، کمزوری اور خون کی کمی کا سبب بنتے ہیں (الاسلام والرعایۃ الصحیۃ مؤلفہ ڈاکٹر عزالدین فراج/۶۱)۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا مرض بلہارسیا (Schistosomiasis) کی ترقی میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے جس کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ پانی میں پیشاب کرنے کی وجہ سے زیادہ ترقی کرتا ہے اور دوسروں کو لاحق ہوجاتا ہے۔ جب ہم اس بجٹ کو دیکھتے ہیں جو بلہارسیا کے مریضوں اور جگر پر اس کے ہونے والے برے اثرات کے علاج کے لئے خرچ کیا جاتا ہے اور جس نے بعض ترقی پذیر ممالک میں مرنے والوں کی تعداد میں اضافہ کردیا ہے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نبوی سنت پر عمل کرکے آدمی اور اس کے قرب وجوار کے لوگ ان امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو ان کے جسم کے لئے مہلک اور ان کے مال کو تباہ کرنے والے ہیں (مرض پر خرچ ہونے والے بجٹ اور اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں شیخ منصور رفائی عبید کا وہ تحقیقی مقالہ جو انہوں نے اسلامی شریعت اور عصر حاضر کے طبی مسائل کے تعلق سے ہونے والی بین الاقوامی اسلامی طبی کانفرنس میں مرض بلہارسیا سے بچنے اور اس کے علاج کے سلسلہ میں دین کے کردار سے متعلق پیش کیا ہے۔ اس کانفرنس کا انعقاد ازہر اور جامعہ عین شمس

کے میڈیکل کالج کے تعاون سے ہوا تھا دیکھئے ر ۲۷)۔

۵-جب علمی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ فضاء کے ہر مربع سینٹی میٹر میں لاکھوں جراثومے ہوتے ہیں اور ان جراثوموں کا اکثر نشانہ بننے والے اعضاء ہاتھ، منہ، ناک، چہرہ اور پیر ہیں۔ اس لئے کہ یہ اعضاء ہر وقت فضاء میں کھلے رہتے ہیں، وضو کے ذریعہ ان تمام جراثیم سے مکمل طور پر طہارت حاصل ہوتی ہے جو قطعی طور پر انسان کے جسم سے لگے ہوتے ہیں، خاص کر ان اعضاء سے جو اکثر حالات میں اس فضاء میں کھلے رہتے ہیں جس میں غبار، یا دھواں یا شعاعی آلودگی یا ان کے علاوہ گندگی کی دوسری صورتیں ہوتی ہیں جن سے فضلات اور فضولیات کی یہ دنیا پُر ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ماحول کی آلودگی کی مشکلات اور انسان پر بلکہ جانور اور نباتات پر پڑنے والے اس کے مضر اثرات کے علاج کے لئے بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ بہر حال جسم کے اعضاء میں سے اکثر وضو کے اعضاء ہی آلودہ فضاء سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے مسلمان اس سے دائمی طور پر چھٹکارا پانے کے لئے روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ اس کی فکر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں استاذ محمد کامل عبد الصمد لکھتے ہیں: علم جدید (سائنس) نے ثابت کر دیا ہے کہ وضو، کینسر کے ورم پیدا ہونے کو کم کر دیتا ہے، جس کا سبب کیمیائی مادے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وضو اتنی مقدار میں جراثیم کے جمع ہونے سے پہلے ان کو ختم کر دیتا ہے جن کے لئے چمڑا کو پار کر کے جسم میں سرایت کرنا ممکن ہو اور جو کینسر میں تبدیل ہونے کا سبب بنتا ہے .... اور انہوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ چمڑے کا کینسر اکثر مغربی معاشرہ، امریکہ اور آسٹریلیا میں پھیل رہا ہے باوجود یہ کہ سورج کی شعاعیں ان ممالک میں کمزور ہیں اور مشرقی ممالک میں قوی ہیں، لیکن وضو چمڑے کو تر کر دیتا ہے اور چمڑے پر کینسر کے منفی اثرات کو کم کر دیتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ غسل اور وضو اس پسینے کو دور کرنے میں مؤثر ہوتے ہیں جس میں نمک اور روغنی مواد ہوتے ہیں، جو اگر دور نہ ہوتو یہ نمک اور روغنی مواد باقی رہتے ہیں اور

پسینے کے مسامات کو بند کر دیتے ہیں (الاعجاز العلمی فی الاسلام ۲۲-۲۱، الطب الوقائی فی الاسلام ۲۰)۔

۶-مسواک کے استعمال کے ساتھ کلی کرنا منہ، مسوڑھا اور دانتوں کی حفاظت میں خوشگوار اثر ڈالتا ہے، جس سے صحت اچھی ہوتی ہے اور منہ کی بدبو دور ہو جاتی ہے۔ اگر ہم فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں تو ہم دیکھیں گے کہ جمہور فقہا نے کلی کو وضو کے مندوبات میں شمار کیا ہے (الام للشافعی ۱/ ۲۴-۲۳، وہ مسواک کے بارے میں لکھتے ہیں: ہر حال میں مسواک کرنا مستحب ہے اور جو لوگ کلی کو واجب کہتے ہیں ان پر رد کیا ہے کہ آنکھ منہ سے پست ہے اور کسی نے اس کے دھونے کو واجب نہیں کہا ہے)۔ لیکن حنابلہ کی رائے ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو کے ارکان میں سے ہے، اس لئے کہ یہ دونوں چہرہ دھونے کے وجوب میں داخل ہیں (الکافی لابن قدامۃ ۱/ ۲۶، کشف القناع للبہوتی ۱/ ۹۶)۔

اگر ہم اس کے ساتھ اس حدیث کو ملا لیں جس کی روایت بخاری نے اپنی سند کے ساتھ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور رب کو راضی کرنے والی ہے (المسند ۶/ ۴۷)۔ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اگر مجھے اپنی امت پر دشواری کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا" (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب السواک یوم الجمعۃ، صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب السواک)۔ تو ہم دیکھیں گے کہ طب جدید مسلمان کے ایمان ویقین میں اضافہ کرتی ہے کہ ہر حکم شرعی کے پیچھے انسان کے جسم، عقل، وجدان، دل اور اس کی دنیا وآخرت کے لئے کوئی نہ کوئی یقینی مصلحت موجود ہے۔ چنانچہ کلی کرنے میں (جس میں پانی کو منہ میں قوت کے ساتھ گھمایا جاتا ہے تاکہ وہ تمام چیزیں جو منہ میں یا دانتوں کے درمیان ہوتی ہیں نکل جائیں) یہ مصلحت ہے کہ یہ ان تمام مواد کو دور کر دیتی ہے جن کے ذرات پر کیڑے جنم لیتے ہیں، جو دانت کو نقصان پہنچاتے ہیں اور پورے نظام ہضم پر بہت برا اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ انسان کی شکل وصورت پر بھی مضر اثر ڈالتے ہیں۔ اگر آدمی پابندی سے اس

طریقہ سے کلی کرے تو اس کا منہ ہمیشہ ان گندگیوں سے پاک رہے گا جو منہ میں بدبو پیدا کرتی ہیں اور دانتوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

طبی طور پر یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مسواک میں ایسے بہت سے مواد ہوتے ہیں جو دانتوں کی صفائی اور ان کی حفاظت پر مثبت اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: الطب الوقائی فی الاسلام، ڈاکٹر احمد شوقی فنجری / ۴۴-۴۳، الاسلام والتربیۃ الصحیۃ ڈاکٹر عائدہ بنا / ۳۳، الاعجاز العلمی فی الاسلام محمد کامل عبدالصمد / ۱۲۱-۱۱۹، یہ مواد کے لحاظ سے جامع اور پیشکش کے لحاظ سے عمدہ کتاب ہے)۔

الف- فلورائڈ نامی مادہ دانتوں کی خارجی سطح پر پائے جانے والے ایک مادہ سے عمل کرتا ہے جسے Hydroxy Apatite کہتے ہیں، اس عمل کے بعد یہ مادہ CF Apatite میں تبدیل ہوجاتا ہے جو تیز ابیت کی وجہ سے دانتوں کے گھلنے کے عمل کو روکنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، یہ تیز ابیت حساسیت کے مرض کی صورت میں بیکٹریا کے ذریعہ وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح یہ مادہ منہ کے اندر بیکٹریا کے ذریعہ پیدا کردہ تیز ابیت کو کم کرتا ہے اور اس تیز ابیت کی وجہ سے دانتوں کی خارجی سطح کے تیزی سے پگھلنے میں کمی آتی ہے۔ یہ مسوڑھے پر موجود بیکٹیریا کی روئیں کو رگڑ کر اس کی نشو ونما میں رکاوٹ ڈالتا ہے، جو کہ منہ میں حساسیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے، اور دوران خون میں اضافہ کرتا ہے، یہ عمل مساج کہلاتا ہے۔

ب-سلیکون (Silicon) کا مادہ دانتوں کی خارجی سطح پر جمنے والے رنگ اور فضلات کو دور کرتا ہے۔

ج-مسواک میں موجود قلویات (Alkalis) منہ کو تر رکھتے ہیں اور اس میں خوشبو پیدا کرتے ہیں اور منہ میں بیکٹریا کی افزائش کو روکتے ہیں بلکہ مسوڑھے اور دانتوں کا احاطہ کرنے والی پرت میں سوزش کو ختم کرتے ہیں۔

د۔مادۂ تانین اور مومی مواد یہ دونوں مسوڑھے کا احاطہ کرنے والی پرت کو مضبوط بناتے ہیں۔ یہ مومی مواد دانتوں کو ڈھانک لیتے ہیں اور دانتوں سے الگ ایک پردہ بنا دیتے ہیں جو کیڑوں کے خلاف ان کی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ دانتوں اور مسوڑھوں کی صحت میں مسواک کے اثر کے تعلق سے بہت سی طبی تحقیقات ہوئی ہیں۔ انہیں میں سے وہ تحقیق ہے جو جنوبی گھانا میں ۸۸۷ افراد پر کی گئی ان میں ۴۵۰ مرد اور باقی عورتیں تھیں۔ اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ تحقیق میں شریک لوگوں میں سے ۸۳ر۸۳ اعشاریہ ۷ فیصد اپنے دانت کھونے سے اور ان میں کیڑوں کا تناسب بہت محدود تھا۔ ۱۹۸۱ء میں پاکستان میں ایک دوسری تحقیق ہوئی جس نے عملی تجربہ سے یہ ثابت کر دیا کہ مسواک کا استعمال کرنا خون کے کینسر ہونے کو روکتا ہے۔

امریکہ میں قومی ادارہ برائے صحت کی طرف سے مسواک میں موجود عناصر کے بارے میں ایک علمی تحقیق ہوئی۔ تحقیق اس نتیجہ تک پہنچی کہ وہ عناصر کینسر کے بعض امراض کو بڑھنے سے روکتے ہیں اور مسواک کا استعمال کرنے والے دوسروں کے مقابلے میں منھ کے کینسر میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔

۷۔ استنشاق یا جیسا کہ بعض فقہا کہتے ہیں استنشار کا معنی صرف ناک سے پانی کو قریب کرنا نہیں ہے، بلکہ مراد تین مرتبہ ناک سے پانی کو قریب کرنا پھر اس کے کچھ حصے کو ناک میں چڑھانا ہے، تا کہ پانی اندر کے بالوں تک داخل ہو جائے پھر اس کو پوری قوت سے جھاڑنا ہے تا کہ فضاء میں موجود بہت سی آلودگیوں میں سے کچھ ناک میں باقی نہ رہے۔ ناک اعضائے تنفس کے لئے بنیادی دروازہ سمجھی جاتی ہے، لہذا اگر انسان اس کو ہمیشہ صاف نہ کرتا رہے تو ان بالوں میں گرد وغبار، جراثیم اور اس کے علاوہ فضاء میں اڑنے والی دوسری چیزوں کے تہ بتہ جم جانے کی وجہ سے وہ ملوث ہو جائے گی اور بال اس اضافہ یا بعض کے بعض کے ساتھ ملنے کی وجہ سے صفائی کی قدرت کو کھو دیں گے، اس طرح ہوا کی نالی اور پھیپھڑوں میں ہوا ان چیزوں سے

ملوث ہوکر داخل ہوگی جوجلدی سوزش اور اعضائے تنفس کی بیماریوں کا سبب ہوسکتی ہیں، بلکہ کان سینہ اور چہرے کی بیماریوں کا سبب ہوسکتی ہیں۔

اسی وجہ سے ناک کے ڈاکٹر نصیحت کرتے ہیں کہ ناک کو ہمیشہ دھویا جائے تاکہ ناک کے اندر بیکٹیریا اور جراثیم تہ بتہ جمع نہ ہوں اور زیادہ ہوکر اعضائے تنفس کو خراب نہ کردیں، بعض اطباء یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ناک پر کپڑا رکھا جائے، لیکن دن میں پانچ مرتبہ ناک کو دھونا زیادہ آسان ہے۔ جامعہ اسکندریہ میں کلیۃ الطب کے اساتذہ نے اہل وطن کی بڑی تعداد پر تحقیق کی جونماز پڑھتے تھے اور جونماز نہیں پڑھتے تھے، یہ تحقیق مکمل دوسال کی مدت تک جاری رہی۔ وہ ان سب کی ناکوں سے کچھ لیتے تھے اور اس کا طبی معائنہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جولوگ وضو نہیں کرتے تھے اور نماز نہیں پڑھتے تھے ان کی ناک ہلکے رنگ والی چکناہٹ والی تھی۔ اس کے اندر گردوغبار اور میل ہوتا تھا اور ناک کا اندرونی حصہ چپکنے والا اور سیاہی مائل رنگ والا ہوتا تھا، اس کا بال جھڑتا تھا اور ناک کے اندر بال ایک دوسرے سے چپکے ہوئے اور غبار آلود تھے جن پر ہلکا میل ہوتا تھا۔ جبکہ وضو کرنے والوں کی ناک کا اوپری حصہ چمکدار، صاف ستھرا اور میل اور گردوغبار سے خالی تھا۔ اسی طرح ناک کا بال صاف ستھرا اور میل کچیل سے پاک تھا (الاعجاز العلمی فی الاسلام محمد کامل عبدالصمد / ۱۹)۔

ناک کی یہ صفائی ستھرائی انفلوانزا، بچوں کے پولیو اور ڈفتیریا (Diphtheria) جیسے امراض سے بچاتی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر فنجری نے لکھا ہے (الطب الوقائی فی الاسلام / ۲۴)۔

۴۔ قرآن کریم نے حیض کے خون کی بہت اچھی تعبیر کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ویسئلونک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن'' (البقرۃ / ۲۲۲) (اور وہ لوگ تم سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ وہ ایک گندگی ہے، اس میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے

قریب نہ جاؤ)۔حیض کے خون کی نجاست فقہ میں مشہور ہے۔زمانہ قدیم میں اہل مصر نے ایک کاہن کے تجربہ اور تحقیق کے بعد اس کو جانا، چنانچہ اس نے کچھ پودوں کی سینچائی حیض کے خون سے ملے ہوئے پانی سے کی اور کچھ دوسرے پودوں کی سینچائی میٹھے پانی سے کی۔ پہلے پودوں کی نشو نما میں تاخیر ہوئی اور اس کے بعد وہ سوکھ گئے۔لہذا حیض کے خون میں زہر پائے جانے کا اعتقاد پختہ ہوگیا۔اس کے نتیجہ میں وہ لوگ اس مدت میں عورتوں سے مکمل طور پر علیحدہ رہنے لگے اور غالبا یہودیوں نے ان ہی لوگوں سے یہ تصور لیا تھا،لیکن اسلام نے حکم دیا کہ اسے صاف رکھا جائے اور ان ایام کے ختم ہونے کے بعد غسل کیا جائے اور اس کے آثار پر مشک سے تر کردہ روئی رکھی جائے تا کہ باقی ماندہ خون صاف ہوجائے اور اس کی بدبو دور ہوجائے۔ یہ ثابت ہے کہ اس مدت کے دوران عورت سے وطی کرنا کبھی ایڈز کے مرض کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر عادل رسلان نے ''العلاقة الجنسية غير السوية و أمراضها'' کے عنوان پر اپنے مقالہ میں لکھا ہے۔جس کو انہوں نے ۱۹۸۷ء میں قاہرہ میں بین الاقوامی اسلامی طبی کانفرنس میں پیش کیا(دیکھئے: کانفرنس کے مقالات کا خلاصہ/ ۵)۔ اطباء نے ان امراض کو شمار کیا ہے،جن کا سبب حیض کے دوران وطی کرنا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں (دیکھئے: الاعجاز العلمی فی الاسلام/ ۱۳۷-۱۳۸، الطب والقرآن، ڈاکٹر محمد وصفی، الحیض والنفاس وأحكام الطهارة للنساء، ابراہیم محمد الجمل ۶۵-۶۳)۔

الف- رحم کی دونوں نالیوں میں سوزش پیدا ہوتی ہے یا دونوں بند ہوجاتی ہیں، جو بانجھ پن یا حمل کے رحم سے باہر رہ جانے کا سبب ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں سے انڈا رحم تک نہیں پہنچ پاتا۔

ب- یہ سوزش پیشاب کی نالی، پھر مثانہ، پھر دونوں حالب (دو رگوں کا نام جن سے پیشاب گردے سے مثانہ کی طرف آتا ہے) اور پھر گردوں تک پہنچتی ہے، جو نظام ہضم کے لئے دائمی امراض کا سبب بنتی ہے۔ یہ سوزش مرد و عورت دونوں میں پیدا ہوتی ہے اور یہ کبھی غدۂ کوپر ے،

غدۂ پراسٹیٹ (Prostate)، منی کی دونوں تھیلیوں، دونوں خصیے اور پیشاب کی نالی کی سوزش کا سبب ہوتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ پیشاب کرنا ناممکن ہوتا ہے، یا سخت تکلیف کے ساتھ پیشاب ہوتا ہے۔کپکپی اور عام کمزوری کا سبب ہوتا ہے۔

ج-کبھی سوزش پچھلی نالی کی طرف پہنچ جاتی ہے، اس میں خون کے ساتھ پیپ زیادہ ہوجاتی ہے اور اکثر ناقابل علاج مرض پیدا ہوجاتا ہے، سوزش حشفہ (سپاری) اور اس کے اوپر کی کھال تک پہنچ جاتی ہے اور دونوں میں غرغرینہ پیدا کرتی ہے۔اس حالت میں عضوتناسل کو کاٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہتا ہے تاکہ پورا بدن زہر آلود نہ ہوجائے۔اگر زہر حالب (وہ رگ جس سے پیشاب گردے سے مثانہ کی طرف آتا ہے) اور دونوں گردوں تک پہنچ جاتا ہے تو پورا بدن زہر آلود ہوجاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مرجاتا ہے۔

۵-سور کے گوشت اور اس کی چربی کے نجس ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قل لا أجد فيما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أوفسق أهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولا عاد فإن ربك غفور رحيم" (الانعام/۱۴۵) (کہو، مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز نہیں پاتا جو حرام ہو کسی کھانے والے پر سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، لیکن جو شخص بھوک سے بے اختیار ہوجائے نہ نافرمانی کرے نہ زیادتی کرے تو تیرا رب بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے)۔

رجس کے معنی ناپاکی ہے اور مناسب ہے کہ ہم اس قیمتی بحث کا خلاصہ پیش کریں جس کو ڈاکٹر احمد شوقی فنجری نے "الأسباب العلمية لتحريم لحم الخنزير" (سور کے گوشت کے حرام ہونے کے علمی اسباب) کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے، تاکہ ہمارے اس یقین میں

اضافہ ہو کہ اسلام نہ صرف ہر مسلمان بلکہ تمام ہی انسانوں کے بدن کی سلامتی کا کس قدر خواہش مند ہے، مندرجہ ذیل اسباب کا ذکر کیا ہے (الطب الوقائی فی الاسلام، ۳۰۳-۲۹۰)۔

پہلا سبب: سور میں عام طور پر دو قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱- ''تنیا شریطیۃ'' (Cestoda) یہ کیڑا سور کے گوشت سے اس کے کھانے والے کی آنتوں میں منتقل ہو جاتا ہے اور اندر ہی اندر خون کی گردش تک پہنچ جاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ کیڑا بڑھتے بڑھتے الوبیا کے دانہ کے برابر ہو جاتا ہے اور جسم کے کسی بھی حصے میں جگہ بنالیتا ہے، اگر یہ دماغ تک پہنچ جائے تو یقینی طور پر جنون، فالج، اور پٹھوں میں تناؤ ہو جاتا ہے، اگر آنکھ تک پہنچ جائے تو اس کو اندھا بنا دیتا ہے اور اگر دل کے پردے تک پہنچ جائے تو سینے کے درد کا سبب ہوتا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دماغ کا سوجن پچیس فیصد سور کے کیڑے کی وجہ سے ہوتا ہے، یہ کیڑا کبھی انسان کے ساتھ تیئیس ۲۳ سال تک رہتا ہے۔

۲- ''ترکینا'' نامی کیڑا ہر چھ سور میں سے ایک سور میں موجود ہوتا ہے جیسا کہ بین الاقوامی اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں اس مرض میں مبتلا لوگوں کی تعداد دو کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ یہ کیڑا حرارت کے بڑھ جانے، چہرہ کے سوج جانے اور آنت کی سوزش کا سبب ہوتا ہے اور کبھی دل کے فیل ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ان دونوں کیڑوں کے علاج کا ہر طریقہ فیل ہو گیا ہے اور اب تک اس کا کوئی علاج موجود نہیں ہے جیسا کہ ان امراض کے علاج کے ماہر ڈاکٹر ''ج، جورڈن'' نے لکھا ہے۔

دوسرا سبب: صحت کے بین الاقوامی ادارہ نے ایک اعلانیہ شائع کیا ہے کہ ڈنمارک میں موجود اس کی تجربہ گاہوں میں علمی طور پر یہ ثابت ہو گیا ہے کہ گوشت کے تمام اقسام میں سب سے زیادہ سور کا گوشت گندگی اور جراثیم کو منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور موجودہ سوروں میں کم از کم چالیس فیصد متعدی اور غیر متعدی جراثیم کے حامل ہیں۔

تیسرا سبب: جانوروں کے ماہرین لکھتے ہیں کہ سور گوشت خور جانور ہے جیسے شیر، بھیڑیا، لومڑی اور کتا اس لئے کہ یہ سب ناب (کچلی کے دانت) والے ہیں اور مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ہر سور کو بڑے بڑے چار ناب ہوتے ہیں۔ اسلام نے درندوں میں ہر ناب والے اور پرندوں میں ہر پنجہ والے کو حرام قرار دیا ہے (بخاری اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر ناب والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے) (دیکھئے: نیل الاوطار للشوکانی ۱۱۶/۴)۔

اس لئے کہ وہ اپنے کھانے والوں میں درندگی اور تشدد پیدا کرتا ہے جیسا کہ علمی بحثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے، میکسکو میں لوگ کھیل کے طور پر مرغوں کو لڑانے کے شوقین ہوتے ہیں اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اس کو پالنے والے اس کو دانہ کے بجائے گوشت کھلاتے ہیں تا کہ اس کی درندگی اور قتل کی طرف میلان میں اضافہ ہو اور مشہور رہے کہ سور میں بد خلقی اور سختی ہوتی ہے جو گھاس کھانے والی گایوں اور بکریوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے، عام طور پر مادہ سور کو ولادت کے بعد ہسٹریا جیسے حالات پیش آتے ہیں اور کبھی وہ تمام بچوں کو یا بعض کو قتل کر دیتی ہے پھر ان کو کھا جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آج کل سور کے چرواہے مجبور ہوتے ہیں کہ اس کے بچپن میں اس کے دانت نکلوا دیں تا کہ وہ بڑے ہو کر ان کو پھاڑ نہ کھائیں، یہ دیکھا گیا ہے کہ سوروں کو یوروپ اور امریکہ میں جب صاف ستھری چراگاہوں سے نکال کر جنگلات میں لے جایا جاتا ہے تو وہ مردار چوہوں اور بوسیدہ ہڈیوں کو کھانے کے لئے دوڑتے ہیں۔ اگر بس ان میں سے کسی کو کچل دے تو سوروں کا ایک ریوڑ اسے کھانے کے لئے جمع ہو جاتا ہے، یہ آج کل تسمین کے بعض فارموں میں مردار اور بدبودار سوروں کا گوشت یا مردار گھوڑوں کا گوشت کھاتے ہیں، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سور خاندانی نظام میں مربوط نہیں ہوتے ہیں چنانچہ ایک نر کے لئے، ایک سے زیادہ مادہ ہوتی ہے اور کبھی وہ دوسرے کی مادہ پر زیادتی کرتا ہے اور ایک مادہ کے لئے ایک سے زیادہ نر ہوتے ہیں، اسی وجہ

سے ہم سور کا گوشت کھانے والوں میں عفت اور پاک دامنی نہیں پاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کوئی اپنی بیوی یا بیٹی کو بغیر کسی حرج کے اپنے ساتھی کے سپرد کر دیتا ہے جبکہ ہمارے عربی اور اسلامی عرف میں ایسا عمل سخت جنگ کا سبب بن جاتا ہے۔

چوتھا سبب: خنزیر کی چربی میں چربی دار تیزاب کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے جس میں سے ایک ٹرائیگلسریڈز ہے اور کالسٹرول کی مقدار پندرہ فیصد ہوتی ہے جو گائے میں پائی جانے والی مقدار سے دو چند ہے اور گوشت میں تیل کی نسبت پچاس فیصد ہے جب کہ گائے کے گوشت میں پانچ فیصد ہے۔ اتنی بڑی مقدار خون کی رگوں کے سخت ہونے، بلڈ پریشر کے بڑھنے اور دل کا درد کا سبب ہوتی ہے۔ یہی یوروپ میں پہلی قاتل ہے۔

پانچوں سبب: انفلوئنزا کی بیماری پہلے سوروں کی نگرانی کرنے والے کاشتکاروں میں ظاہر ہوتی ہے، پھر اس کے بعد کھانے والوں میں پھیل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نام خنزیری انفلوئنزا (سور سے پیدا ہونے والی انفلوئنزا) ہے۔ یہ ان امراض میں سے ہے جو آج کل پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اب تک ڈاکٹر اس کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے کوئی علاج دریافت نہیں کر سکے ہیں۔

دوسری فصل

مردمومن کے جسم پرنماز کاتربیتی اثر

نماز دراصل ایک روحانی عبادت ہے،لیکن بیک وقت وہ اخلاقی،عقلی اور جسمانی مدرسہ بھی ہے۔اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

۱-نماز ایک جسمانی ورزش ہے۔مسلمان صبح کی نماز کے لئے پوری چستی کے ساتھ اٹھتا ہے،تازہ ہوالیتا ہے اور ہمت وعزیمت کے ساتھ مسجد جاتا ہے۔نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث اس کو ترغیب دیتی ہے،''اندھیرے میں مسجد جانے والوں کو قیامت کے دن مکمل روشنی کی بشارت دے دو'' (سنن ابن ماجہ،کتاب المساجد،باب المشی إلی الصلاۃ (۷۸۰))۔

ممکن حد تک پانچوں نمازیں مسجد میں ادا کرتا ہے۔اعتدال کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور صحیح رکوع کرتا ہے۔دونوں پیر،دونوں ہاتھ اور پیٹھ کو سیدھا رکھتا ہے۔سجدہ کرنے اور اس سے کھڑا ہونے میں جسم اور گردن ہی میں نہیں،بلکہ اپنے دل میں خشوع پیدا کرتا ہے۔اسی وجہ سے سیدنا حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو نماز میں بتکلف کمزوری ظاہر کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا: ہمارے دین کو مردہ نہ کرو،اللہ تم کو ہلاک کرے۔ایک دوسرے شخص کو دیکھا کہ خشوع اور ذلت ظاہر کرتے ہوئے سر اور گردن کو جھکا رہا ہے تو اس سے کہا: اپنا سر اٹھاؤ،خشوع دلوں میں ہوتا ہے، گردنوں میں نہیں ہوتا۔

جب بندہ میں عبادت کی محبت بہت بڑھ جاتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کو پسند کرتا ہے،رات میں سونے کو ناپسند کرتا ہے اور رات میں شب بیداری

کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”تتجافى جنوبهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفاً و طمعاً ومما رزقناهم ينفقون فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا يعملون“ (سورۃ السجدۃ/ ١٧-١٦) (ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر سے اور امید سے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، کسی کو خبر نہیں کہ ان لوگوں کے لئے ان کے اعمال کے صلہ میں آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے)۔

یہ کھڑا ہونا، رونا، اللہ کے سامنے جھکنا اور عاجزی سے دعاء کرنا، جسم کو قوت و طاقت عطا کرتا ہے اور آنکھ سے تکلیف اور دلوں سے زنگ کو دور کرتا ہے۔ چنانچہ جسم سستی کمزوری کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شیطان تم میں سے ہر ایک کے سر کے آخری حصہ پر سونے کی حالت میں تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ پر پھونک مار کر کہتا ہے کہ تمہاری رات بڑی لمبی ہے۔ سوئے رہو، پھر اگر وہ بیدار ہو جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، جب وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے اور وہ چست اور پاکیزہ نفس ہو جاتا ہے ورنہ وہ خبیث النفس اور سست ہو جاتا ہے (صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الرأس إذا لم یصل باللیل (١١٤٢))۔

حدیث نے نماز پڑھنے والے اور نماز چھوڑنے والے کے لئے ایک دوسرے سے مقابل دو صورتیں ذکر کی ہیں۔ چنانچہ نماز پڑھنے والا چست و پاکیزہ نفس ہوتا ہے اور نماز چھوڑنے والا سست اور خبیث النفس ہوتا ہے، اسی وجہ سے ہر مسلمان پسند کرتا ہے کہ وہ پہلی صورت اختیار کرے جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔

٢-فرد کو تیار کرنے کے لئے پیش کردہ تمام فلسفوں میں نماز اپنے ارکان اور ہیئت کے

ساتھ اعلی درجہ کی جسمانی تیاری کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس لئے کہ دیگر فلسفوں میں بدنی صلاحیت میں نفسانی پہلو سے قطع نظر صرف جسمانی پہلو کا اعتبار ہوتا ہے، اسی وجہ سے شیخ امین خولی لکھتے ہیں: بدنی صلاحیت کا لفظ اب ایک عام اور وسیع معنی پر دلالت کرتا ہے، یہ وہ عمومی صلاحیت ہے جو اعضاء اور نفس کی صحت مندی اور جسمانی صورت حال پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس روحانی اور جسمانی امتزاج کے سلسلہ میں نماز کا اثر بیان کرتے ہوئے کہا ہے: فریضۂ نماز کے ذریعہ انسان کی روحانی اور جسمانی تربیت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حکمت کی وجہ سے جس کا علم خالق حکیم کو ہے اس نے انسان کو نماز کی ادائیگی کا حکم دیا جس میں بیک وقت روحانی خشوع اور جسمانی نشاط دونوں موجود ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ نماز کی جسمانی حرکات اور اعمال جو روزانہ پانچ فرائض میں اور عام طور پر ایک دن میں سترہ رکعتوں میں پائے جاتے ہیں، ہر رکعت میں قیام، رکوع، سجدہ پھر سجدہ سے کھڑا ہونا پایا جاتا ہے۔ مزید ہر نماز کے آخر میں سلام پھیرنے کے لئے چہرے کو دائیں اور بائیں گھمایا جاتا ہے، ان تمام افعال سے جسمانی چستی کا علم ہوتا ہے۔ جس کی قیمت اور فوائد سے ناواقف رہنا مناسب نہیں ہے۔

۳-نماز کے احکام میں مسلمانوں کے درمیان جسمانی فرق کی رعایت کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب فراش مریض کو نماز میں کھڑے ہونے کا مکلف نہیں بنایا جاتا ہے، ورنہ اس کی نماز فاسد ہوسکتی ہے، بلکہ جو شخص کھڑا نہ ہو سکے وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر یا سر کے اشارہ سے نماز پڑھے گا، اسی طرح جس کو سفر میں مشقت پیش آئے وہ اپنی نماز میں قصر کرے گا اور جمع بین الصلاتین کرے گا۔

اگر گرمی زیادہ ہو تو نماز کو تاخیر سے ذرا ٹھنڈک میں پڑھنا مسنون ہے اور اگر آندھی تیز ہو جس میں کھیتی اور جانوروں کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو لوگ اپنے گھروں میں نماز

پڑھیں گے۔ اس لئے کہ بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارش ٹھنڈک اور آندھی والی رات میں گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الرخصة فی المطر والعلة أن یصلی فی رحله (۱۱۱۶))۔

جب بارش سخت ہو تو لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں گے اس اندیشہ سے کہ کہیں پیر پھسل جائے اور آدمی کو پیٹھ یا پیر میں زخم یا تکلیف پہنچ جائے یا ہڈی ٹوٹ جائے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری رات نماز پڑھنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے اوپر اس طرح کی سختی کرنے سے منع کیا اور ارشا فرمایا: ''مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو نماز پڑھتے ہو۔ میں نے کہا ہاں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، کبھی روزہ رکھو اور کبھی چھوڑ دو، نماز پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، اس لئے کہ تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، تم پر تمہاری آنکھ کا حق ہے، تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے اور تم پر تمہارے مہمانوں کا حق ہے (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم داؤد علیہ السلام (۱۹۷۹))۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے جس وقت کسی شخص کو دیکھا کہ وہ مطلقاً روح کا حق ادا کرتا ہے، خواہ اس کے جسم کا حق نظر انداز ہو جائے تو اس کو جسم کا لحاظ کرنے کا حکم دیا، جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔

یہی واقعہ جس کے لئے امام بخاری نے: ''**باب مایکره من التشدید فی العبادة**'' کا عنوان قائم کیا ہے، جسمانی ورزش اور بدنی صلاحیت کے باب میں علم جدید کی انتہا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ امین خولی نے اپنی کتاب ''**الریاضة والحضارة الإسلامیة**'' (جسمانی ورزش اور اسلامی تہذیب) میں ایک فصل قائم کی ہے جس کا عنوان ''**التوازن بین الراحة والنشاط**'' (آرام اور نشاط کے درمیان توازن) ہے۔ اس میں انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ بدنی صلاحیت کے مفہوم کے سیاق میں راحت نشاط کو مکمل کرنے والی ہے، اس لئے کہ طاقت

سے زیادہ محنت کرنا جسمانی بیماری، پریشانی اور پٹھوں کے سخت ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ یہیں سے راحت کے لئے قانون بنانے کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور یہ مفہوم نئی جسمانی ورزش کی ایک خصوصیت بن گیا ہے۔ راحت کے درجات الگ الگ ہیں۔ ان میں سے بعض منفی ہیں جیسے سونا اور آرام کرنا اور بعض ایجابی ہیں جیسے پٹھوں کے مجموعہ کو مشغول کر کے راحت اور نشاط حاصل کرنا۔ ہر جسم کے لئے کچھ طاقتیں اور صلاحیتیں ہیں جن سے آگے بڑھ جانا مناسب نہیں ہے اور اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے (الریاضۃ والحضارۃ الاسلامیۃ مؤلفہ ڈاکٹر امین خولی ص۔۵۷)۔ جسمانی ورزش کے اس نئے مفہوم کی تائید تمام عبادات میں اور خاص طور پر نماز کے بارے میں تمام فقہی احکام سے ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کو منفی راحت کا حکم دیا گیا ہے جو کسی وقت سونا اور عبادت کو ترک کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ کے انسان ہونے کی حیثیت سے آپ کے رب نے عبادت کرنے اور سونے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''یا أیها المزمل قم اللیل إلّا قلیلا'' (المزمل۔ ۲-۱) (اے کپڑے میں لپٹنے والے، رات میں قیام کر مگر تھوڑا حصہ)۔ نیز ارشاد ہے: ''ومن اللیل فتهجد به نافلة لک'' (الاسراء: ۷۹) (اور رات کو تہجد پڑھو، یہ نفل ہے تمہارے لئے)۔

یعنی رات کے بعض حصہ میں، پوری رات نہیں، اس لئے کہ یہاں حرف ''مِن'' تبعیض کے لئے ہے، یہاں مثبت راحت کا حکم ہے، جس میں پٹھوں کی کارکردگی میں تبدیلی کی جاتی ہے، خواہ اس بیٹھنے والے کی حرکات میں ہو جو قیام پر قادر نہیں ہے، یا بیٹھنے والے کی ہیئت کو بدل کر ہو جس کے جسم میں تکلیف ہو کہ اگر وہ مسنون ہیئت کے مطابق تشہد کے لئے بیٹھے گا تو اس کو بڑی تکلیف ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں اسلام کی کشادہ ظرفی اور نمازوں میں راہبوں کے اپنے جسم کو بے فائدہ مشقت میں ڈالنے کے درمیان بہت زیادہ فرق ظاہر ہوتا ہے۔ استاذ لکی نے یورپ کے اخلاق کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے کہ یوحنا راہب نے ایک پیر پر کھڑے ہو کر تین

سالوں تک عبادت کی، اس پوری مدت میں نہ سویا نہ بیٹھا، جب وہ بہت زیادہ تھک جاتا تو اپنی پیٹھ کو کسی چٹان سے لگا دیتا (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین"، مولانا ابوالحسن علی ندوی/ ۱۶۸، العبادة فی الاسلام، ڈاکٹر یوسف قرضاوی/ ۱۸۳)۔

۴- ایک خوشگوار تصویر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جسم کی ضروریات اور ان کی تکمیل کی پوری رعایت کی گئی ہے اس حدیث سے سامنے آتی ہے جس کی روایت مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ سے کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر رات کا کھانا آجائے اور نماز عشاء کے لئے اقامت کہی جائے تو پہلے کھانا کھاؤ اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پانے کے لئے کھانے میں جلدی کرنے سے منع فرمایا (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب کراہیۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام)۔

یہ حدیث عبادت اور جسم کی ان ضروریات کے درمیان مکمل شرعی موافقت کی نمائندگی کرتی ہے جو انسان پر سوار رہتی ہیں، اس کے خشوع اور اطمینان قلب کو برباد کردیتی ہیں اور اس کی عقل کی پراگندگی کا سبب ہوتی ہیں، یہاں اگر مسلمان آدمی کے پاس کھانا آجائے اور اسے زیادہ بھوک لگی ہو تو وہ فوراً کھالیتا ہے، کھانے کو نماز کے لئے نہیں چھوڑتا اور نہ ہی نماز کو پانے کے لئے اپنے کھانے میں جلد بازی کرتا ہے۔

۵- استاذ محمد کامل عبد الصمد کی رائے ہے کہ نماز کے اوقات سب سے زیادہ مناسب اوقات ہیں جن میں ورزش کے ماہرین ورزش کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ چنانچہ فجر کی نماز طلوع آفتاب سے پہلے ہے جس وقت فضا صاف ستھری، نشاط انگیز اور فرحت بخش ہوتی ہے اور دوپہر میں جسم کو تھکاوٹ لاحق ہوتی ہے اس وقت اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ جسم کی توانائی اور چستی کو واپس لایا جائے اور مغرب کے وقت شام میں مسلمان نئی فرحت ونشاط کے لئے تیار رہتا ہے اور عشاء کے وقت جسم اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت وتوانائی کے عوض کچھ توانائی

حاصل کرے (علی عزت بیجوفتش کی کتاب'' الاسلام بین الشرق والغرب''، ۲۹۴)۔

انہوں نے لکھا ہے کہ کچھ علماء نے علمی بحثوں کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ نماز میں بہت سے جسمانی فوائد ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

الف- خون کے دوران کو چست وفعال بنانا جو پورے جسم کو چست رکھتا ہے۔

ب- اعتدال کے ساتھ کھڑے ہونے میں ریڑھ کی ہڈیوں کی حفاظت کرنا۔ہڈیوں کے ایک مشہور فرانسیسی ڈاکٹر نے عصر میں نماز کی حرکات کو دیکھا اور انہوں نے اپنے مریضوں سے نماز کی حرکات کی پابندی کرائی تو اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔

ج- رکوع، سجدہ اور قیام، پیٹھ اور معدہ کے پٹھوں کو مضبوط کرتے ہیں اور معدہ کی دیوار پر جمی ہوئی چربی کو دور کرتے ہیں اور پیٹ بڑھنے کے مرض سے محفوظ رکھتے ہیں۔

د- سجدہ دونوں رانوں اور پنڈلیوں کے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور جسم کے اعضاء و اطراف تک خون کے پہنچنے میں معاون ہوتا ہے، آنتوں کی حرکتوں کو منظم کرتا ہے اور حائل پردے کو حرکت دیتا ہے۔

ھ- کھانے سے پہلے نماز پڑھنا معدہ کے امراض سے بچاتا ہے اس لئے کہ اعصاب کی راحت خون کے دباؤ کو کم کرتی ہے۔

و- نماز اعصابی کشمکش کے مرض سے بچاتی ہے، ڈاکٹر تماس ہاویسلب سے منقول ہے کہ نیند لانے کی سب سے اہم چیز جس کو میں نے سالہا سال کے طویل تجربات کے بعد جانا ہے وہ نماز ہے اور وہ دل میں اطمینان پیدا کرنے اور اعصاب کو پرسکون بنانے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔

ز- نماز پیچیدہ امراض کا علاج ہے۔امریکہ میں پٹھوں کے امراض کے معالج'' ڈاکٹر اودون فردیک'' سے منقول ہے کہ یہاں ایسے ہزاروں حالات پیش آئے جن میں بڑے بڑے

مشہور اور ذہین ڈاکٹر شفاء کی کوئی امید نہیں رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ایک معجزہ کے ذریعہ جسے نماز کہا جاتا ہے ان سے شفایابی ہوئی اور صحت لوٹ آئی اس کی تائید طب میں نوبل انعام یافتہ عیسائی ڈاکٹر کالیل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

انسان کے جسم اور اعضاء میں نشاط پیدا کرنے والی جن طاقتوں کا آج تک انکشاف ہوا ہے ان میں سے سب سے بڑی طاقت نماز ہے۔ میں نے ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے دیکھا ہے اور تجربہ کیا ہے کہ بہت سے وہ بیمار جن کا علاج دواؤں اور جڑی بوٹیوں سے نہ ہوسکا، اور جب فن طب نے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کرلیا تو نماز نے آگے بڑھ کر انہیں، بیماریوں سے شفایاب کیا۔ بے شک نماز ریڈیم کے کان کی طرح روشنی کا پاور ہاؤس اور فطری طور پر فرحت ونشاط پیدا کرنے والی ہے۔ ہم نے پیتھالوجی میں نماز کی تاثیر کا مشاہدہ کیا ہے، اس لئے کہ بہت سے مریض مختلف قسم کے امراض سے شفایاب ہوئے جیسے درن بریتونی (ایک قسم کا پھیپھڑے کا مرض)، ہڈیوں کی سوزش، رسنے والے زخم اور کینسر وغیرہ (الاعجاز العلمی فی الاسلام محمد کامل عبد الصمد ۲۳/ -۲۵، نیز دیکھئے: العبادۃ فی الاسلام، ڈاکٹر یوسف قرضاوی/ ۲۳۲)۔

اسی بنا پر مجھے اس خیال سے مکمل اتفاق ہے جسے بوسنیا کے صدر علی عزت بیگو بیچ نے لکھا ہے کہ نماز کی افادیت صرف عقلی پہلو یا محض روحانی پہلو پر منحصر نہیں بلکہ اس میں نظام اور صحت بھی داخل ہیں۔ چنانچہ یہ صرف صوفیانہ غور وفکر نہیں ہے بلکہ عملی نشاط بھی ہے۔ صبح کے وقت ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں اور نماز کی ملی ہوئی صفوں میں فوجی روح کا کچھ حصہ پایا جاتا ہے اور یہ نکتہ جنگ قادسیہ سے پہلے فارس کی فوج کے حالات معلوم کرنے والے گشتی دستہ کے ایک شخص کے ذہن سے اوجھل نہیں ہوا۔ جس وقت اس نے فوج کو فجر کی نماز کی صفوں میں مل کر کھڑے ہوئے دیکھا تو اپنے سپہ سالار سے کہا: مسلمانوں کی فوج کو دیکھئے، وہ اپنی روزانہ کی فوجی ٹریننگ کر رہی ہے۔ نماز کی خارجی حرکات ایک حد تک مختصر ہیں لیکن اس میں تقریباً جسم کے

تمام اعضاء داخل ہیں.........دن بھر میں پانچ نمازیں ادا کرنا اور ان کے ساتھ وضو یا غسل کرنا، ان میں سب سے پہلی نماز کو آفتاب کے طلوع ہونے سے قبل اور آخری نماز کو رات میں ادا کرنا جو واجب ہے، یہ تمام گمنامی اور سستی کے خلاف موثر ذرائع ہیں (الاسلام بین المشرق والغرب /۲۹۳-۲۹۴)۔

تیسری فصل:

مردِ مومن کے جسم پر زکوٰۃ کا تربیتی اثر

زکوۃ کے احکام پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض ایک روحانی اور اجتماعی عبادت ہے، لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے ایسے پہلو ہیں کہ زکوۃ کی مشروعیت میں جسمانی پہلو کا لحاظ کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- فقہ میں یہ مشہور ہے کہ ہر اس مال کے لئے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ایک نصاب ہے۔ یہ اس حدیث کی بنا پر ہے جس کی روایت ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدریؓ سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ اونٹوں سے کم میں اور پانچ اوقیہ چاندی (دوسو درہم) سے کم میں اور پانچ وسق (غلہ اور پھل) سے کم میں زکوۃ نہیں ہے (ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب ماتجب فیہ الزکاۃ، ۱۵۵۸، اورسیوطی نے "الجامع الصغیر" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے: فیض القدیر للمناوی ۵ /۶۴۷)۔

یہ نصاب اس معیشت کی معقول حد متعین کرتا ہے جس کا ذکر اللہ تعالی نے اپنے اس ارشاد میں کیا ہے: "**أن لک أن لا تجوع فیھا و لا تعری و أنک لا تظمأ فیھا و لا تضحی** (طٰہٰ/۱۱۹-۱۱۸) (یہاں تمہارے لئے یہ ہے کہ تم نہ بھوکے رہوگے اور نہ تم ننگے ہوگے، تم نہ پیاسے ہوگے اور نہ تم کو دھوپ لگے گی)۔

یہ وہ مقررہ نصاب ہیں کہ اگر وہ ہر انسان کو مہیا ہو جائیں تو نہ اس کا پیٹ بھوکا رہے گا، نہ اس کا جسم ننگا رہے گا نہ اس کے ہونٹ پیاسے رہیں گے اور نہ وہ کھلی فضا میں سوئے گا یا زندگی

گذارے گا، بلکہ ایک گھر کا ہونا ضروری ہے جو اس کو بارش اور دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچائے۔ یہ سب جسمانی ضروریات ہیں جن کی تکمیل ہر انسان کے لئے اسلام نے ضروری قرار دیا ہے اور زکوۃ نکالنے کو اس وقت واجب قرار دیا ہے جب کہ نصاب پایا جائے اور اس پر سال گذر جائے، خاص طور پر اموال باطنہ میں تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کھانا، پینا، کپڑا اور مکان کا مالک ہے جس کی ضرورت اس بدن کو ہے اور یہ وہ حد ہے جس کے بغیر انسان کے لئے زندگی گذارنا ممکن نہیں ہے۔

اس طرح نصاب جسم کی عزت افزائی کا نام ہے۔ اس کی ضروریات سے صرف نظر کرنا یا ان کو پورا کرنے میں سستی کرنا جائز نہیں ہے۔ انسان کے جسم وجان اور مقام ومرتبہ میں اس کی تعظیم وتکریم کی ضروریات کے لئے کفالت کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ ہمیشہ منفرد اور ممتاز رہی ہے اور رہے گی۔ چنانچہ آدمی اپنے جیسے لوگوں کا لباس پہنتا ہے اور ایسے گھر میں رہتا ہے جو اس جیسے لوگوں کے لئے مناسب ہو۔ پھر اگر نصاب کے بقدر مال بچ جائے تو زکوۃ نکالے گا ورنہ اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

جب خود ساختہ نظامہائے حیات نے اس معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کی تو ہر شہری کے لئے ٹیکس سے معافی کی ایک حد مقرر کی۔ چنانچہ غیر شادی شدہ کے لئے معافی کی حد سو (۱۰۰) ڈالر اور شادی شدہ کے لئے ایک سو بیس (۱۲۰) اور صاحب اہل وعیال کے لئے ایک سو چالیس (۱۴۰) ڈالر مقرر کی گئی (اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: سلطۃ ولی الامر فی فرض وظائف مالیۃ، ڈاکٹر صلاح سلطان، ۴۴۲-۴۴۴)۔ جب یہ تمام لوگوں پر نافذ کیا جائے گا تو کھلا ہوا ظلم ہوگا۔ اس لئے کہ غیر شادی شدہ مریض کبھی اتنے اخراجات اور علاج کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کے لئے ایک ہزار ڈالر بھی کافی نہیں ہوتا۔ جبکہ کبھی شادی شدہ صاحب اولاد اس کا آدھا خرچ کرتا ہے۔ چنانچہ ٹیکس سے معافی کے لئے کسی ادنی حد کی تعیین کے پیچھے یہ مفروضہ کارفرما ہے کہ تمام لوگ اپنے

حالات اور اخراجات کے لحاظ سے برابر ہیں۔ لیکن اسلام نے لوگوں کو اس تنگی سے اس طرح نکالا ہے کہ اس نے انسان کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے کی ہدایت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
"والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما" (الفرقان/ ٦٧)
(اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ تنگی کرتے ہیں ان کا خرچ اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے)۔ پھر جو نصاب کے بقدر اس سے زائد ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں سے محدود تناسب میں زکوٰۃ نکالے گا، تاکہ ممکن حد تک انسان کی تمام جائز ضروریات پوری ہوسکیں۔

۲- وہ فقیر جس کے پاس زندگی کے وہ اسباب موجود نہ ہوں جو اس کی ضروریات اور حاجت کے مطابق ہوں اور اس جیسے آدمی کے لائق ہوں تو اس کی کفالت واجب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ابن رجب نے کہا کہ ضرورت کے بقدر مکان، خادم اور سواری ایسا زائد مال نہیں ہے جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو، نہ اس میں حج اور کفارات واجب ہوتے ہیں اور نہ اس میں سے قرضہ جات اور نفقات ادا کئے جاتے ہیں۔ بہت سے فقہاء اور علماء نے لکھا ہے کہ جس کے پاس کشادہ گھر، سامان فرش، خادم اور عمدہ لباس ہو اور وہ زکوٰۃ کا محتاج ہو تو یہ چیزیں فروخت نہیں کی جائیں گی اور وہ زکوٰۃ لے گا (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۱۱۷-۱۲۳، أحکام القرآن للجصاص ألجمی ۱/ ۴۶۱، نیل الأوطار للشوکانی ۴/ ۲۲۳-۲۲۸، شرح کتاب النیل لاطفیش ۳/ ۲۲۲، النفقات العامۃ فی الاسلام ڈاکٹر یوسف ابراہیم یوسف/ ۲۲۷-۲۲۹، فقہ الزکاۃ للقرضاوی ۲/ ۵۶۱-۵۶۳)۔

یہ جسم کی تمام ضروریات کی رعایت کرنے اور ان میں سے کسی میں کوئی کوتاہی نہ کرنے کے واضح دلائل ہیں، بلکہ اس حدیث میں جو حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے انسان کو اسلام کے آداب سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص مجھ پر ایمان لانے والا نہیں ہوگا جو شکم سیر ہو کر رات گذارے اور اس کے بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے اس کا

علم بھی ہو (فیض القدیر للمناوی ۵/ ۷۰۴۔ حدیث نمبر ۷۷۱۱، منذری نے اس کے بارے میں کہا: حدیث حسن ہے اور ہیثمی نے کہا: بزار کی اسناد حسن ہے)۔

یہ نصوص اس بات پر مشتمل ہیں کہ ہر ننگے کے لئے کپڑا ہو، ہر بھوکے پیٹ کے لئے کھانا ہو، ہر پیاسے کے لئے پانی ہو اور ہر بھٹکنے والے کے لئے ایک ایسے گھر کی پناہ گاہ ہو جو اس کے معاشرتی اور ادبی مقام کے مطابق ہو، چنانچہ اگر قاضی فقیر ہو جائے تو بیت المال سے اسے ایسا گھر فراہم کیا جائے گا جو اس کے ہم منصب لوگوں کی طرح ہو، وہ چوکیداروں کے مکان میں نہیں رہے گا اور نہ ان کی سواریوں پر سواری کرے گا۔ یہ احکام بیک وقت جسمانی اور روحانی ضروریات کی رعایت کرتے ہیں۔

۳- یہ شرعی وجوب جسم و جان کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے ہے، چنانچہ صرف زکوٰۃ کے اموال پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا، بلکہ اگر فقراء کی کفالت میں کمی رہ جائے تو زکوٰۃ سے بڑھ کر مالداروں پر مالی وظائف مقرر کرنا جائز ہوگا۔ ابن حزم فرماتے ہیں: ہر شہر کے مالداروں پر فرض ہے کہ وہاں کے فقراء کی نگرانی رکھیں، اگر زکوٰۃ سے ان کی ضروریات پوری نہ ہوں تو بادشاہ ان کو اس پر مجبور کرے گا اور ان کے کھانے کے لئے ضروری خوراک اور جاڑے گرمی کے لئے ضروری لباس کا انتظام کیا جائے گا۔ نیز ایسا گھر مہیا کیا جائے گا جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور گذرنے والوں کی نگاہوں سے بچا سکے (المحلی لابن حزم ۶/ ۱۵۶، المسئلۃ – ۷۲۵ اس پوری بحث کے لئے دیکھئے: سلطۃ ولی الامر فی فرض وظائف مالیۃ، صلاح الدین سلطان)۔

علامہ ابن حزم کی اور دیگر اہل علم کی عبارتوں سے جسم کی ان ضروریات کی تائید ہوتی ہے جن کے نہ ہونے پر انسان صبر نہیں کر سکتا ہے۔ اگر ہم بیسویں صدی میں اس کا مقابلہ موجودہ صورت حال سے کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ایک تہائی دنیا غذا کے معاملہ میں غیر معمولی نقص کا سامنا کر رہی ہے، کیا اس کی وجہ غذا کی کمی ہے یا شعور کی کمی؟ جیسا کہ صدر علی عزت بیگوویچ نے لکھا

ہے (الاسلام بین المشرق والغرب ۲۹۶)۔

سلسلة الأمة نے "الحرمان والتخلف فی دیار المسلمین" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں لکھا ہے کہ یہاں ہر سال بھوک اور غربت کی وجہ سے ایک کروڑ تیس لاکھ مسلمان مر جاتے ہیں۔ اخبارات کے ذریعہ ہمیں بنگلہ دیش، بوسنیا، کشمیر اور صومالیہ میں مسلمان مریضوں، اپاہج بچوں، بوڑھوں، عورتوں، بیوگان اور زخمیوں کے المناک حالات کا علم ہوتا ہے، ہمارے بہت سے عرب ممالک میں فقراء ہیں جن کو بھوک کھائے جارہی ہے، انہیں بیماریاں کمزور کر رہی ہیں اور ان کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں ہے۔ آخر جسم کا کون سا عذاب اور انسانی ضمیر کا مردہ ہونا اور انسانی شعور و احساسات کا ختم ہو جانا ان حالات کا سبب بنا ہے؟ بیشک یہ بربادی ہے، چنانچہ اس کے بعد مالدار اپنے کو فقیر کے حملہ سے محفوظ نہیں پائے گا اور نہ فقیر اپنے لقمہ پر مالدار کے ہڑپ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے سے مامون ہوگا۔ یہاں ایک سرد جنگ ہے جس کا درجۂ حرارت روزمرہ کے تمام جرائم میں بڑھتا جارہا ہے۔ مصر کے ایک اخبار نے ۴/ستمبر ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں شائع کیا ہے کہ امریکہ میں وفاقی تحقیقات کے آفس نے رپورٹ دی ہے کہ سنگین جرائم کی تعداد پینتالیس (۴۵) لاکھ سالانہ ہے، ہر دو منٹ پر زبردستی چوری کا واقعہ پیش آتا ہے، اور ہر اکتالیس سکنڈ میں ایک گاڑی کی چوری اور ہر سترہ سکنڈ میں ایک گھر کی چوری ہوتی ہے (مقومات الاقتصاد الاسلامی، عبدالسمیع مصری ۲۲۰)۔

کیا چوری کے یہ واقعات، جبکہ ان کے ساتھ چوری پر زبردستی کرنا بھی شامل ہو جائے جسم کے لئے بہت بڑا خطرہ نہیں ہیں؟............اور اگر زبردستی نہ بھی ہو تو کیا یہ بیک وقت امن ملکیت اور جان کے حقوق پر ظلم نہیں ہے؟..................صرف اسلام ہی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ان پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے۔

چنانچہ انسان کا احترام اسلام کے مسلمہ اصولوں میں سے ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"ولقد کرمنا بنی آدم" (الاسراء/۷۰)(اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی) خواہ ان کا دین ومذہب جو بھی ہو۔ بھوکے فقیر یا رشتہ دار یتیم یا پریشان حال مسافر کو کھانا کھلانا، یہ سب انسان کے لئے ایسی خوشگوار زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں جس میں اس جسم کے لئے کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ فقہی عرف میں اس پر اجماع ہے کہ محتاج کو کھانا دینا اور سخت ضرورت مند کو کپڑا اور مکان فراہم کرنا واجب ہے بشرطیکہ خرچ کرنے والے کی ضرورت سے زائد ہو، وہ اگر اس کو چھوڑ دے اور وہ مر جائے تو اس کی دیت دینا اس مالدار پر لازم ہوگا (دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱/۲۲۵، الموافقات للشاطبی ۱/۹۸-۹۷، المنتقی للباجی ۶/۳۹، المبسوط للسرخسی ۲۹/۲۴، الاشباہ والنظائر لابن نجیم/۵۸-۹۱، المجموع للنووی ۱/۳۵-۳۴، الطرق الحکمیہ لابن القیم الجوزیہ ۵۴، اعلام الموقعین لابن القیم ۳/۱۰، شرح الازہار لابن المرتضی ۴/۵۵۴۔ مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ۲۹/۲۸)۔

۴- ایک طرف زکوۃ مسلمان کے جسم وجان کی تمام ضروریات پوری کرتی ہے تو دوسری جانب دوسری تشریعات میں بھی انسان کی کفالت اور اس کے جسم وجان کی ضرورت پوری کرنے کے سلسلہ میں زکوۃ کی روح کارفرما ہوتی ہے خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے جس وقت ایک بوڑھے یہودی کو سوال کرتے ہوئے پایا تو اس پر افسوس کا اظہار فرمایا اور اس کو مصالح عامہ کے فنڈ سے اتنا دیا جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے، اسی طرح جب عبدالملک بن مروان نے اپنے عامل ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری کو اہل فارس کے پاس ان کی سالانہ آمدنی کے لحاظ سے ان پر جزیہ اور خراج کی مقدار مقرر کرنے کے لئے بھیجا، تو انہوں نے آمدنی سے سارے اخراجات یعنی کھانا، پینا، سالن، کپڑا اور مکان کو منہا کیا، بلکہ جوتے چپل کے اخراجات کو بھی منہا کیا، پھر اس کے بعد ان کی آمدنی کے مطابق جزیہ اور خراج مقرر کیا، سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اپنے عامل عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن سلیمان کو غیر مسلم اہل خراج پر خراج اور

جزیہ کے سلسلہ میں ان کی طاقت سے زیادہ مالی بوجھ ڈالنے سے منع کیا اور جب ان سے پوچھا تو عثمان بن حنیف نے کہا کہ میں نے ان پر ایسی چیز مقرر کی ہے جس میں زیادہ اضافہ نہیں ہے اور ابوعبید نے کہا یہ ہمارے نزدیک جزیہ اور خراج کا مسئلہ ہے یہ دونوں اہل ذمہ کی طاقت کے بقدر ہوتے ہیں، نہ ان پر کوئی بوجھ ہوتا ہے اور نہ مسلمانوں کے مال فئی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے (الخراج لابی یوسف ۱/۴۱، الاموال لابی عبید فقرہ ۱۰۶/)۔

۵- اسلام نے عید کے مواقع پر انسان کو عطا کرنے میں اضافہ کیا ہے۔ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ عید کی تقریب زیادہ خوشحالی اور آسودگی میں منائے۔ لہذا مالدار لوگ اور ان کی اولاد بہت خوشحالی میں نہ نکلیں اور نہ فقیر بھوکا رہے یا معمولی کھانا کھائے، بلکہ اسلام نے عید الفطر سے پہلے ایک قسم کی زکوۃ مقرر کی ہے جس کا نام صدقۂ فطر ہے اور یہ فقیر کو اس دن سوال سے بے نیاز کرنے کے لئے ہے۔ اس کا مقصد اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جس کی روایت ابوداؤد اور حاکم نے اپنی سند کے ساتھ کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صدقۂ فطر کو لغو اور گناہ کی باتوں سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مساکین کے کھانے کے لئے مقرر کیا ہے (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر -۱۵۴۳، المستدرک علی الصحیحین للحاکم النیسابوری، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر طھرۃ الصیام ۱/۴۰۹۔ اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن بخاری اور مسلم نے اس کی روایت نہیں کی ہے)۔

یہ نازک احساس مسلمان فقراء سے تجاوز کر کے اہل ذمہ فقراء تک پہنچا، چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے نقل کیا ہے کہ ضحاک بن عبد الرحمٰن اشعری نے جب اہل فارس پر جزیہ اور خراج کی مقدار مقرر کی تو ہر فرد کے عام اخراجات کے ساتھ ان کی آمدنی سے ان کی عید کے اخراجات کو بھی منہا کیا (الخراج لابی یوسف ۱/۴۱)۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقیر کے ہاتھ میں مال کا ہونا بہت بڑی ضمانت ہے کہ فقیر مختلف قسم کی

غذائیں کھائے گا جو اس کے جسم کو بیماری سے محفوظ رکھیں گی اس لئے کہ جسم کو نشاستہ، پروٹین، نمک اور شکر وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے لئے مختلف قسم کی غذاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ انیما (بیماری) جو جسم کو لاحق ہوتی ہے اکثر ایسے کھانے کی وجہ سے ہوتی ہے جو جسم کی ساری ضروریات پوری نہیں کرتا ہے، اسی طرح لباس انسان کو دھوپ کی تپش اور ان جلدی امراض سے محفوظ رکھتا ہے جو سورج کی گرمی سے جلد میں پیدا ہوتے ہیں اور ٹھنڈک تو جسم کو ہلاک کرنے اور نزلہ اور انفلوئنزا میں اس کو مبتلا کرنے کے لئے کافی ہے، ایسے ہی کھلے میدان میں سونے سے انسان کو زمین کے جانوروں اور راستے کے کیڑے مکوڑوں سے سابقہ پیش آتا ہے اور یہ کبھی کبھی اس کے جسم کو ڈس لیتے ہیں اور اس کا خون زہر آلود ہو جاتا ہے چنانچہ ایک مناسب مکان کا انتظام کرنا ہی ان خطرات سے بچانے والا ہے۔

چوتھی فصل:

مردمومن کے جسم پر روزہ کا تربیتی اثر

غالباً عبادات میں سب سے زیادہ روزہ کے اثرات بیک وقت انسان کی روح، اخلاق اور جسم پر پڑتے ہیں۔ جسم پر پڑنے والے اثرات کی وضاحت درج ذیل ہے:

۱- روزہ کی ابتداء ایک پسندیدہ سنت سے ہوتی ہے اور وہ سحری کھانا ہے، سحری کھانے کو پچاس آیات کے بقدر فجر سے پہلے تک مؤخر کرنا سنت ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاۃ الفجر (۱۹۲۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور ۱/ ۴۴۳)۔ مسلم اور ابن ماجہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کھایا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور ۱/ ۴۴۳، سنن ابن ماجہ کتاب الصوم، باب ماجاء فی السحور (۱۶۹۲)) امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کھانا بابرکت ہے، لہذا اس کو مت چھوڑو اگرچہ تم میں سے کوئی ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے ان کے لئے دعاء کرتے ہیں (المسند ۳/ ۴۴) ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: مجھ کو اللہ کے رسول ﷺ نے رمضان میں سحری کھانے کے لئے بلایا تو فرمایا: ''بابرکت کھانا کھانے کے لئے آؤ'' (سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب من سمّی السحور الغداء المبارک (۲۳۴۴)۔ یہ نصوص مسلمان کو اس پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ روزہ کے

پورے دن میں اپنے جسم کی اصلاح کے لئے سحری کھائے، خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لے، اس لئے کہ بدن کو اس کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ مسلمان کو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعاء حاصل کرنے اور مبارک کھانے کی رغبت میں اس کھانے کی خواہش زیادہ ہوتی ہے، یہ سب اس لئے ہے کہ سحری نہ کھانے کی صورت میں روزہ کی وجہ سے جسمانی کمزوری لاحق نہ ہو جو زیادہ تھکاوٹ کی وجہ سے کبھی کبھی جسم کو لاحق ہو جاتی ہے اور یہ چیز روزہ کے مقاصد کے خلاف ہے۔

۲-جسم کی رعایت کرنے کی اہمیت روزہ کی ایک دوسری سنت میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ افطار میں جلدی کرنا ہے۔ اس لئے کہ بخاری ومسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ سہل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے اس وقت تک بھلائی پر قائم رہیں گے (اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان، کتاب الصیام باب فضل السحور (۶۶۷))۔

یہ عمل روزہ کی مدت کو کم کرتا ہے۔ جب روزہ کا وقت فجر سے مغرب تک رہتا ہے تو اس کا آخری عمل فجر کے وقت سحری کھانا اور مغرب کے وقت پہلا کام افطار کرنا ہوگا اور مسنون یہ ہے کہ کھجور اور پانی سے افطار کرے، کسی دوسری چیز سے نہیں، اس لئے کہ جسم کو شکر کی اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے جسم کو تر و تازہ رکھے اور اس کی کھوئی ہوئی طاقت کو لوٹا دے۔

غالباً ہمارے علماء نے جس وقت ان مسلمانوں کے روزوں کے بارے میں اجتہاد کیا جن کے یہاں دن بہت لمبا ہوتا ہے، یہاں تک کہ تقریباً بیس یا بائیس گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور ان میں سے بعض کے یہاں دن چند دنوں یا مہینوں تک طویل ہو جاتا ہے، قطب سے قریب بعض ممالک میں چار مہینوں کے بعد ہی رات آتی ہے۔ علماء نے اپنے اجتہاد سے ان سے قریب ترین معتدل ممالک کا لحاظ کیا، چنانچہ یہ لوگ ان کی فجر اور مغرب کے اوقات کے مطابق روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن جن ممالک میں رات نہیں آتی ہے وہاں وہ دن سے بارہ گھنٹے یا کچھ زیادہ مقرر کرتے ہیں

اور روزہ رکھتے ہیں (الصیام محدثاتہ وحوادثہ، ڈاکٹر محمد دحقلہ/ ۲۵۶-۲۵۷)۔

ان سب کا مقصد آسانی پیدا کرنا ہے اور لوگوں سے مشقت کو دور کرنا ہے، تاکہ وہ اپنے جسم پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں جوان کی تر وتازگی اور چستی کو ختم کردے۔

۳- گذشتہ مباحث کی تائید صیام دہر کی ممانعت سے بھی ہوتی ہے، صیام دہر یہ ہے کہ آدمی افطار اور سحری کے ساتھ بلاناغہ مسلسل چند ایام کے روزے رکھے۔ لیکن اس تسلسل سے جس پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وغیرہ نے عمل کیا، نبی کریم ﷺ نے انہیں منع فرما دیا اور اس کا سبب جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے یہ تھا: ''اگر تم ایسا کروگے تو تمہاری آنکھ دھنس جائے گی اور دل و دماغ کمزور اور عاجز ہو جائیں گے، جو شخص ہمیشہ روزہ رکھے اس کا روزہ (مقبول) نہ ہوگا (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم داؤد علیہ السلام نمبر (۱۹۷۹))۔ یہ اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ اسلام جسم کی طاقت وقوت برقرار رکھنے کا خواہش مند ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے جسموں کی قوت یا ان کی پژمردگی کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ جس وقت آپ نے ایک آدمی کو دیکھا اور اسے پہچان نہ سکے تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں وہی آدمی ہوں جو پہلے سال آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں کیوں تمہارے جسم کو کمزور دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے دن میں کبھی کھانا نہیں کھایا، صرف رات میں کھاتا رہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم کو کس نے حکم دیا کہ اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرو؟ (سنن ابن ماجہ، کتاب الصوم، باب صیام أشهر الحرم- (۱۷۴۱))۔ اس واقعہ میں وہ شخص نبی کریم ﷺ سے ملا اور عبادت میں مبالغہ کرنے لگا اور پورے سال ایک دن بھی روزہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اس کا جسم پژمردہ اور کمزور ہوگیا اور اس کو نبی کریم ﷺ پہچان نہیں سکے اور اس کے اس عمل کو، جان کو عذاب دینا اور عبادت کے دائرہ سے خارج قرار دیا، اس لئے کہ یہ اسلام میں مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ روزہ قوت اور مردانگی میں اضافہ کا سبب ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ

کی ایک روایت میں ہے کہ سیدنا داؤدعلیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے اور میدان جنگ سے نہیں بھاگتے تھے (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم داؤدعلیہ السلام- (۱۹۷۹))۔ یعنی جنگ میں بہادر اور پیش قدمی کرنے والے تھے۔روزے نے ان کو کمزور نہیں کیا اور نہ کسی گرجا گھر کا راہب بنایا بلکہ وہ میدان جنگ کے مرد مجاہد تھے۔

۴-ڈاکٹر فیحان مطیری نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے لئے عذر کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز ہے (الصوم و الإفطار لأصحاب الأعذار، ابتدائی چار فصول)۔ وہ درج ذیل ہیں:

۱	مسافر	۲	مریض
۳	نابالغ	۴	مجنون
۵	بوڑھا عاجز	۶	کسی معصوم کو بچانے کے لئے روزہ چھوڑنا
۷	جس پر بھوک اور پیاس کا غلبہ ہو	۸	جس کو روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے
۹	حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت	۱۰	حیض ونفاس والی عورت

علامہ ابن قیم نے اس میں اللہ تعالی کے راستے میں جنگ اور جہاد کا اضافہ کیا ہے، اس لئے کہ جہاد کی مشقت سفر کی مشقت سے زیادہ ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دشمن سے مقابلہ کے وقت روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے (زادالمعاد لابن القیم ۱/ ۲۲، ۲۲۲)۔ ان تمام اعذار کا مقصد ایک ہے اور وہ ہے جسم کو قوی باقی رکھنا تا کہ اس کو سفر کی مشقت یا بیماری کی تکلیف اور دوا کے آثار کمزور نہ کردیں، یا اس بچے کی حفاظت کرنا ہے جس کی نشو ونما مکمل نہیں ہوئی ہے اور جو اپنے جسم کے بنانے میں مسلسل کھانے کا محتاج ہے، یا اس بوڑھے کی حفاظت کرنا ہے جس کے صبر ومجاہدہ کی قوت فنا ہو چکی ہے، یا اس شخص کی حفاظت کرنا ہے جو کسی معصوم شخص پر

دیوار یا گھر کو گرتے ہوئے دیکھے اور روزہ توڑے بغیر اس کو نہ بچا سکے، یا اس شخص کی حفاظت کرنا ہے جس کی بھوک اور پیاس اتنی سخت ہوگئی ہو کہ وہ بے ہوشی کے قریب ہو، یا جس شخص کے جسم و جان کو روزہ نہ توڑنے کی صورت میں انتہائی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو جیسے کوئی شخص اہل حرب، یا طاقتور سرکش لوگوں کے پاس قید ہو اور وہ لوگ روزہ نہ توڑنے کی صورت میں اسے جسمانی اذیت پہنچانے پر مصر ہوں، یا حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کی حفاظت کرنا ہے جس کے کھانے پینے کا نچوڑ اس کے پیٹ میں پرورش پانے والے جنین یا پیدا شدہ بچے کو پہنچتا ہے، یا حائضہ ونفساء کی حفاظت کرنا ہے جو ضعف اور مشقت کے اعلی درجہ پر ہوتی ہے جس پر تمام اطباء کا اتفاق ہے۔

ان تمام حالات کا بنیادی مقصد جسم کی حفاظت اور اس کو مشقت میں ڈالنے والی اور کمزور کرنے والی تمام چیزوں سے بچانا ہے اور یہ ہمارے فقہ اسلامی میں سہولت کا وسیع ترین باب ہے۔

۵- جمہور کے نزدیک روزہ کے آداب میں سے کھجور اور پانی سے افطار کرنا ہے۔ ابن حزم کی رائے ہے، اگر پانی اور کھجور دونوں موجود ہوں تو پانی سے پہلے کھجور سے افطار کرنا واجب ہے اور اگر صرف پانی موجود ہو تو کسی چیز کے کھانے سے پہلے اس سے افطار کرنا واجب ہے۔ میرے نزدیک جمہور کی رائے صحیح ہے کہ وہ سنت ہے، واجب نہیں ہے جیسا کہ ابن حزم کی رائے ہے (المحلی لابن حزم ۷/۳۱، مسئلہ نمبر (۸۰۶))۔

اس کے باوجود ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کا التزام کرنے میں جسم کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہوگی، اس لئے کہ روزہ خون میں شکر کی کمی کا سبب ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کا اثر پورے جسم پر اور خاص طور پر دونوں آنکھوں پر پڑتا ہے۔ کھجور کا کھانا خون میں شکر کی اچھی مقدار کے جلد پہنچنے کا سبب ہوتا ہے اور روزہ دار کو پہلے سے زیادہ آرام حاصل ہو جاتا ہے، وہ اگر اس کے علاوہ

کوئی اور چیز کھائے تو اس کے لئے اچھا خاصا وقت درکار ہوگا کہ ہضم کے طویل عمل کے بعد پروٹین اور نشاستہ شکر بن سکے اور اس صورت میں بسا اوقات انسان کو کمزوری کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے۔ لیکن کھجور اور پانی جسم کی مکمل چستی کو فوراً بحال کر دیتے ہیں (الطب الوقائی فی الاسلام للنجری ۶۶)۔

۶- یہ شرعی نصوص اور فقہی احکام مسلم اور غیر مسلم محققین کی رہنمائی کرتے ہیں، چنانچہ طبی علوم وغیرہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ روزہ میں ایسے فوائد ہیں جن سے جسم کو براہِ راست صحت اور تندرستی حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف- روزہ تمام کمزور یا مردہ خلیوں سے اور غذا اور دوا سے پیدا شدہ زہر سے جسم کو چھٹکارا دلانے میں مدد کرتا ہے اس سلسلہ میں "ڈاکٹر ماک فادت" نے (جو امریکہ کے بڑے ڈاکٹروں میں سے ہیں) ایک کتاب "کتاب الصیام" کے نام سے لکھی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ روزہ جسم کے لئے نفع بخش ہے، اس طرح کہ وہ اس کو اس زہر کے مضر اثرات سے پاک وصاف کر دیتا ہے جو غذاؤں اور دواؤں میں پایا جاتا ہے، ہر انسان روزہ کا محتاج ہے اگر چہ مریض نہ ہو، اس لئے کہ غذاؤں اور دواؤں کے زہر جسم میں جمع ہو جاتے ہیں، اس کی چستی کو کم کر دیتے ہیں، پھر اگر وہ روزہ رکھ لیتا ہے تو اس کا وزن کم ہو جاتا ہے اور یہ زہر تحلیل ہو جاتے ہیں اور بیس دنوں کے بعد اس کی عافیت لوٹ آتی ہے (الصیام فی الاسلام، محمد محمود الصواف/۲۵-۲۶)۔

اسی وجہ سے شیخ محمد رشید رضا مصری نے لکھا ہے کہ روزہ کا ایک فائدہ جس کا تعلق صحت سے ہے یہ ہے کہ وہ بدن میں جمع شدہ مضر مواد کو ختم کر دیتا ہے۔ خاص طور پر خوشحال، کھانے کے حریص اور کم محنت کرنے والوں کے بدن میں نقصان دہ رطوبات کو خشک کرتا ہے، یہ آنتوں کو پیٹ میں پیدا ہونے والے زہر کے فساد سے پاک کرتا ہے، اور چربی کو پگھلاتا ہے یا پیٹ میں اس کے زیادہ ہونے کو روکتا ہے جو دل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔ چنانچہ روزہ گھوڑے کو دبلا پتلا

کرنے کی طرح ہے جو کرفز میں اس کی قوت کو بڑھاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''روزہ رکھو صحت مند رہو گے'' (کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الأحادیث علی ألسنة الناس للشیخ اسماعیل عجلونی -(۱۳۵۵) ۱/ ۵۳۹، انہوں نے اس کو امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اور جب میں نے مسند ۲/ ۳۸۰ دیکھا تو حضرت ابوہریرہ کی حدیث کو ان الفاظ میں پایا: "سافروا تصحوا واغزوا تستغنوا" (سفر کرو صحت مند رہوگے اور جہاد کرو تم بے نیاز ہوجاؤگے))۔ اس کی روایت ابن السنی اور ابونعیم نے طب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور'' الجامع الصغیر'' میں اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک انگریز ڈاکٹر نے لکھا ہے کہ سال میں ایک ماہ کے روزے بدن میں مردہ فضلات کو ایک سال کی مدت کے لئے ختم کردیتے ہیں (تفسیر المنار، محمد رشید رضا (۱/ ۱۹۹) طبعة الهيئة المصرية العامة للكتاب)۔

ب- ڈاکٹر محمد علی بار نے جسم میں فاسد مواد کے ختم ہونے کے عمل کی تفصیل بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ کھانا تین مراحل سے گزرتا ہے:

اول: کھانا کھانا، اس کا ہضم ہونا اور نفع بخش طاقت میں اس کا تبدیل ہوجانا، اس میں نظام ہضم اور جگر شریک رہتے ہیں اور ہر خلیے کی ضرورت کے مطابق باریک نظام کے ساتھ پورے جسم میں تقسیم کرتے ہیں۔

دوم: اس طاقت کا زائد حصہ گلوکوز یا چربی کی شکل میں طاقت کے خزانے میں جمع ہوتا ہے جو جسم کے نچلے حصے میں پیٹ، پہلوؤں اور سرین کے درمیان جمع ہوتا ہے اور یہ کام جگر اور انسولین کرتے ہیں جن کو پینکریاس (Pancreas) پیدا کرتا ہے اور اگر وہ زائد چیز جلیکوجین (Glycogen) ہو تو جگر اور پٹھوں میں جمع رہتی ہے۔

سوم: کھانا موجود نہ ہونے کے وقت گلوتی غدہ (Adrenal Gland)، غدہ درقیہ (سپر نما غدہ یا Thyroid gland) لبلبہ (معدہ کے قریب ایک غدہ، Pancreas) اور غدہ

نخامی (جو دماغ کی جڑ میں واقع ہے، Pituitary gland) روغنی مادوں کوگلوکوز کے شکر اور چربی دار ترشے میں بدل دیتے ہیں جو جسم کے لئے مفید ہے (الصوم و أمراض السمنة، ۱۱-۱۲)۔

ڈاکٹر محمد شوقی فجری کہتے ہیں کہ جسم روزہ کی حالت میں اپنے اندر جمع شدہ غذائی مواد کو ختم کرنا شروع کرتا ہے اور جب یہ ختم ہوجاتے ہیں تو اپنے اندرونی انسجہ (Tissues) کو جلانا یا ختم کرنا شروع کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ اعضاء جسم کی غذا کا اثر قبول کرتے ہیں جو کسی مرض میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے جسم کے انسجہ (Tissues) متاثر ہوتے ہیں اور جلتے ہیں اور جسم ان سے چھٹکارا پاتا ہے۔ چنانچہ روزہ اس آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کے قائم مقام ہوتا ہے جو بیمار اعضاء سے کمزور یا بیکار خلیوں (Dead cells) کو دور کرتا ہے اور مختلف غیر فطری اضافے مثلاً کنکریاں، چونے اور گوشت کے رواسب (Precibitates)، پھوڑے پھنسیاں، چربی دار پرتیں اور خطرناک زخموں سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ ایکسرے سے دیکھا گیا ہے کہ ان تمام زوائد کا حجم روزہ کے دوران چھوٹا ہوجاتا ہے (الطب الوقائی فی الاسلام، ۶۳ - ۶۴)۔

ج - روزہ معدہ اور آنتوں کو موقع فراہم کرتا ہے کہ ان کو اپنے کام سے فرصت مل جائے اور یہ بلغمی جھلیوں (Mucosa) کے ذریعہ پھوڑوں اور زخموں کے علاج کا موقع فراہم کرتا ہے، آنتوں کو جذبیت سے محفوظ رکھتا ہے، تاکہ امینوایسڈ (Amino acid)، گلوکوز یا دوسری نمکیات (Salts) جگر تک نہ پہنچ سکیں، اس طرح جگر کے خلیہ جات گلوکوز، پروٹین یا کوسٹرول نہیں بنا پاتے کیوں کہ وہاں تک اس کے مشمولات پہنچ نہیں پاتے اور نتیجتاً یہ خلیہ جات ان روغنوں سے نجات پا جاتے ہیں جو بسا اوقات ان میں جمع ہوجاتے ہیں (الاعجاز العلمی فی الاسلام، ۲۷)۔

د - روزہ موٹاپا اور اس کے امراض کے علاج کے لئے بڑا موثر اور مناسب ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر محمد علی بار نے ان میں سے چند امراض کو شمار کیا ہے۔ مثلاً قلب میں خون کا جمنا، اچانک موت، پیشاب میں شکر، بلڈ پریشر، پیٹ کی سوزش اور اس کی پتھری (Cholecystitis gall stones)، جوڑوں کی سوزش (Arthritis)، نظام تنفس کی دشواریاں، آپریشن کے عمل کا

زیادہ ہونا، کینسر کے حالات میں اضافہ وغیرہ (الصوم وأمراض السمنۃ، ۲۲)۔اسی طرح مردوں میں گٹھیا کے امراض اور قولون (بڑی آنت کا زیریں حصہ Colon)، مستقیم (Rectum) اور پراسٹیٹ گلٹی (Prostate) کا کینسر، عورتوں میں رحم اور چھاتی کا کینسر اور پیٹ کا کینسر وغیرہ (حوالۂ سابق، ۵۵)۔

عالمی طبی تحقیقات کے مراکز سے موٹے لوگوں میں دوسرے لوگوں کی بنسبت وفات پانے کا تناسب زیادہ نقل کیا گیا ہے، جو درج ذیل ہے:

۱-ہر عمر کے لوگوں میں موٹے لوگوں کی وفات طبعی وزن والوں کے مقابلہ میں پچاس فیصد زیادہ ہے۔

۲-۲۰ سال سے ۲۹ سال کی عمر کے لوگوں میں اسی (۸۰) فیصد زائد۔

۳-۳۰ سال سے ۳۹ سال کی عمر تک کے لوگوں میں ۶۹ فیصد زائد۔

۴-۴۰ سے ۴۹ سال کی عمر کے لوگوں میں ۵۲ فیصد زائد۔

۵-۵۰ سے ۶۴ سال تک کی عمر کے لوگوں میں ۴۲ فیصد زائد۔

اور موٹاپا جن امراض کا سبب بنتا ہے ان کی صورت حال مزید سنگین ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ پیشاب کے شوگر (Diabetes mellitus) کے مرض میں موٹے لوگوں کی وفات کا تناسب عورتوں میں ۳۸۳% (فیصد) اور مردوں میں ۲۷۳% (فیصد) زیادہ ہے۔اور جگر کی خرابی (hepotic fibrosis) میں مرنے والوں کا تناسب عورتوں میں ۲۴۹% (فیصد) اور مردوں میں ۲۴۷% (فیصد) زائد ہے، دل کے امراض عورتوں میں ۱۴۹% (فیصد) اور مردوں میں ۱۷۷% (فیصد) زیادہ ہیں اور یہی حال دوسرے امراض کا بھی ہے (الصوم وأمراض السمنۃ، ۴۰-۴۱)۔

موٹاپا اور اس سے پیدا شدہ امراض میں روزہ کے غیر معمولی اثرات کی وجہ سے ''سکونیا'' میں ڈاکٹر ہنریخ لاہمان کے مشہور ہوسپٹل میں روزہ اور بھوک کے ذریعہ علاج کیا جاتا

ہے اور اسی طرز پر دوسرے ہسپتالوں نے بھی اس کی پیروی کی ہے۔ ڈاکٹر ''روبرٹ بارٹولو'' کہتے ہیں: بلاشبہ روزہ جرثوموں سے چھٹکارا دلانے کا بڑا موثر ذریعہ ہے۔ انہی میں سے میکروب زہری ہے جس میں خلیوں کو ضائع کرنا اور نئے سرے سے اس کو دوبارہ بنانا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ''ہیلر سر نبر'' کی رائے ہے کہ سال میں ایک ماہ کا روزہ زندگی اور جوانی کی بنیاد ہے۔ اس کی تائید پروفیسر ''نیکولا ئف ونیلوف'' نے اپنی کتاب " الجوع من أجل الصحة "(صحت کے لئے بھوک) میں کی ہے کہ جو شہری عمدہ صحت سے فائدہ اٹھانا چاہے اس پر واجب ہے کہ جسم کو فضلہ اور زہریلے مواد سے پاک وصاف رکھے، اس کے لئے اسے چاہئے کہ وقفہ وقفہ سے کچھ دن مکمل بھوکا رہے جو تین ہفتہ سے کم اور چار ہفتہ سے زیادہ نہ ہو (الاعجاز العلمی فی الاسلام، محمد کامل عبد الصمد/ ۲۷-۲۹، الریاضۃ والحضارۃ الاسلامیۃ، شیخ امین/ ۷۶-۷۷)۔

ھ- روزہ میں شوگر کے مرض سے حفاظت ہے جو انسولین کی مقدار پر کھانے کی مقدار کے زیادہ ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو لبلبہ (Pancreas) علیحدہ کرتا ہے تاکہ شکر کی زائد مقدار نشاستہ وغیرہ میں بدل جائے، اور انسجہ (خلیوں کا سلسلہ Tissue) میں جمع رہے۔ جب لبلبہ (Pancreas) بڑی مقدار کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے تو شکر براہ راست خون میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اس سے شوگر کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ اس کا عملی حل بار بار روزہ رکھنا ہے جو خون میں شکر کی مقدار کو کم کردیتا ہے اور بنکریاس کو راحت پہنچاتا ہے، تاکہ وہ اپنی چستی مسلسل باقی رکھ سکے۔

ز- روزہ معدہ اور آنتوں کو پرانی سوزش کے امراض سے بچاتا ہے، وہ کھانے سے سوزش زدہ خلیوں کے خالی رہنے کے دوران ان کی اصلاح کرتا ہے اور اس کی بلغمی رطوبت کو کم کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے معدہ اور آنتوں میں ڈکار کی کثرت (eructation)، قولون (بڑی آنت کا زیریں حصہ ,Colon) کے امراض، گیس، کھٹی ڈکار اور بدہضمی وغیرہ سے چھٹکارا

حاصل ہوتا ہے۔

ح- روزہ جلدی امراض کا علاج ہے، اس لئے کہ وہ نظام ہضم کو آرام پہنچاتا ہے اور ایسا کھانا معدہ میں داخل نہیں ہونے دیتا جو کھجلی کا سبب ہو، اسی طرح چمڑے میں پھوڑے، پھنسی (Abscess) کے سبب پیدا ہونے والے زہر اور بدہضمی کے اثرات کو کم کرتا ہے۔ پانی کا نہ پینا چمڑہ میں مناسب خشکی کا سبب ہوتا ہے جس سے جراثیم کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت بڑھ جاتی ہے اور اس سے کھجلی اور چمڑے کے امراض میں کمی آتی ہے (عبادات الاسلام، محی الدین مستو ۱۵۷، الطب الوقائی للفجری ۶۷)۔

ط- روزہ مسلمان کو نقرس (پیر کے جوڑوں کے سوجن) کے مرض سے بچاتا ہے جو گوشت کے زیادہ کھانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس چیز سے بچاتا ہے جو پیشاب اور خون میں نمک کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے اور پھر پٹھوں میں جمع ہوکر روماتزم جیسی تکالیف کا سبب بنتا ہے، یا گردہ میں جمع ہوکر پتھری کا سبب بنتا ہے، یا چھوٹے چھوٹے جوڑوں میں جمع ہوکر ان کے ورم کا سبب بنتا ہے، ان تمام کا روزہ کے دوران کھانے سے پرہیز کرنے کی طرح کوئی دوسرا علاج نہیں ہے (الطب الوقائی ۶۷)۔

پانچویں فصل

مردمومن کے جسم پر حج کا تربیتی اثر

روزہ کی طرح حج بھی جسمانی اور روحانی عبادات میں سے ہے اور بدن کی اصلاح میں اس کے بہت سے اثرات ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱- حج کی ایک شرط استطاعت ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولله علی الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا**" (آل عمران/ ۷۹) (اور لوگوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے)۔

استطاعت سے مراد حج کے مناسک، سفر اور اس کی تکالیف پر جسمانی قدرت کا ہونا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں: استطاعت کا معنی جسم کا تندرست ہونا اور چلنے پر قدرت کا ہونا ہے (المحلی لابن حزم ۳/ ۵۳)۔ اس لئے کہ حج ایسا جہاد ہے جس میں کسی شان وشوکت کی گنجائش نہیں، بلکہ جسمانی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ مناسک کی ادائیگی پر قادر ہو سکے۔ اسلام نے اس شخص کے لئے جس کو مالی استطاعت تو ہو، جسمانی استطاعت نہ ہو، جائز قرار دیا ہے کہ وہ اجر سے محروم نہ رہے اور یہ محسوس نہ کرے کہ اس کے جسم کی کمزوری حج کا ثواب حاصل کرنے میں حائل ہے۔ بسا اوقات اس کے امراض بڑھ جاتے ہیں اور اس کی معنوی روح پست ہو جاتی ہے لیکن جب وہ کسی کو اپنی جگہ پر بھیج دیتا ہے تو بڑی راحت محسوس کرتا ہے، جس کا اثر براہ راست اس کی صحت کی اچھائی پر پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں بخاری ومسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ فضل بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خشعم کی ایک خاتون نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں

اورعرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کا اپنے بندوں پر ایک فریضہ حج ہے، اور یہ ایسی حالت میں فرض ہوا کہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں۔سواری پر بیٹھنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔تو کیا اگر میں ان کی طرف سے حج کرلوں تو ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانۃ وہرم ۸۴۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں تندرستی کے حالات کی رعایت کی گئی ہے اور کسی کو اس کی جسمانی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ اس کو ثواب سے محروم نہیں رکھا گیا ہے، اس طور پر کہ اگر وہ مالی استطاعت رکھتا ہو تو کسی دوسرے کو اپنا نائب بنادے۔

دوم: استطاعت ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ راستہ مکمل طور پر پر امن ہو کہ کوئی ڈاکو یا دشمن یا ظالم باغی بیت اللہ کے حاجیوں پر ظلم نہ کریں، نہ ان کا مال چرائیں، نہ ان کو قید کریں اور نہ ان کو ماریں، نہ ان کو قتل کریں، یہ حالت مالی اور جسمانی اعتبار سے استطاعت رکھنے والے شخص سے اس اندیشہ کی بنا پر حج کو ساقط کر دیتی ہے کہ اس کی جان، جسم، عزت و آبرو یا مال میں اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے (شرح فتح القدیر لابن الھمام ۱/ ۴۱۸، المغنی لابن قدامۃ ۸/۵)۔

۳-مسلمان صرف اچھے جذبات کے ساتھ اس حال میں حج کے لئے نہیں نکلتا ہے کہ اس کے پاس سواری، کھانے، پینے اور رہائش کے اخراجات کے لئے کوئی رقم نہ ہو، بھیک مانگنے پر اعتماد کر کے نکلنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کچھ مل جائے جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کرے لیکن یہ بھی امکان ہے کہ کچھ بھی نہ ملے اور وہ بہت سے جسمانی نقصانات کا شکار ہو جائے۔ پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اہل یمن کو خرچ کے بغیر حج کرنے سے منع کر دیا فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ یہ خرچ اس کے شہر میں اس کے لئے، اس کے اہل وعیال اور اس کے زیر کفالت لوگوں کے لئے کافی ہو (شرح فتح القدیر لابن الھمام ۲/ ۴۱۸)۔
چنانچہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ اپنا خرچ لے لے اور ان کو بھوک کی

حالت میں تڑپتا چھوڑ دے یا اپنی اولاد کو میدان میں چھوڑ دے اور حج کے لئے چلا جائے۔ اس حکم میں حج کرنے والے اور اس کے زیر کفالت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی معقول حد تک ضمانت ہے۔ چنانچہ ہمیں اسلامی ممالک میں ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو فوری فریضہ کو چھوڑ دے اور تاابل تاخیر فریضہ کو ادا کرے۔

۴- حج اور عمرہ کرنے والے کے لئے مسنون ہے کہ احرام سے پہلے موئے زیر ناف صاف کرے، اپنے بغل کا بال صاف کرے، اپنے ناخن تراشے، مونچھ کاٹے، غسل کرے اور خوشبو لگائے۔ احرام کے باوجود اس کے لئے مسنون ہے کہ میل کچیل دور کرے اور مکہ میں داخل ہونے کے وقت، طواف کے وقت اور منٰی وعرفات میں داخل ہونے کے وقت غسل کرے۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں جسم پر خاص توجہ دی جاتی ہے، چنانچہ لنگی اور چادر جب میلی ہو جائے اس کو بدلنا مسنون ہے تا کہ مسلمان طہارت اور نظافت میں اپنی اصلی حالت کو محفوظ رکھ سکے جو اس کو لوگوں میں ممتاز بناتی ہے۔ ان تمام آداب سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی مقاصد میں مشغول ہو کر ظاہری نظافت سے صرف نظر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ دونوں میں ایک مضبوط تعلق پایا جاتا ہے۔ جو مسلمان طواف سے قبل غسل نہیں کرتا وہ اپنے طواف کرنے والے ساتھیوں کو کبھی کبھی ان کی عبادت گاہوں سے نکال دیتا ہے۔ اس کے علاوہ حج میں بہت زیادہ دوڑ دھوپ کی وجہ سے گرد و غبار جم جاتے ہیں اور پسینہ نکلتا ہے، اور یہ کبھی کبھی پسینہ نکلنے کے مسامات کو بند کر دیتا ہے اور جلدی امراض اور جسم کے اندر زہریلے اثرات کے باقی رہنے کا سبب بنتا ہے۔ عام طور پر اکثر راستے دریا اور نہروں کے کنارے ہوتے ہیں، اس سے لوگوں کو ان کے کھانے میں وسعت ہوتی ہے۔ خاص طور پر دریا سے نکلنے والے کھانے میں، تا کہ جسم کی بنیادی ضروریات پوری ہو سکیں۔

۵- حج کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ کسی متعدی مرض میں مبتلا شخص کے فریضۂ حج

کی ادائیگی کے مقابلہ میں عام صحت کی حفاظت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلام ایسے شخص سے اس فریضہ کو ساقط کر دیتا ہے، تا کہ وہ اپنے متعدی مرض کے ذریعہ لوگوں کو ایذاء نہ پہنچائے۔ حج کے احکام میں صحت سے متعلق یہ پابندی ہم اس حدیث میں دیکھتے ہیں جس کی روایت امام مالک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن ابی معد سے کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک کوڑھی عورت کے پاس سے گذرے تو اسے کہا: اے اللہ کی بندی! لوگوں کو ایذا نہ پہنچاتی، کاش تو اپنے گھر میں بیٹھ جاتی، تو وہ بیٹھ گئی۔ پھر اس کے بعد ایک آدمی اس کے پاس سے گذرا اور اسے کہا کہ جس نے تجھ کو منع کیا تھا وہ مر چکا ہے لہذا تم نکلو، اس عورت نے کہا: میں وہ نہیں ہوں کہ ان کی زندگی میں ان کی اطاعت کروں اور ان کے مر جانے کے بعد ان کی نافرمانی کروں (الموطا، باب جامع الحج ۱/ ۴۲۴)۔

سیدنا عمرؓ نے جس وقت اس عورت کو ایک متعدی مرض یعنی جذام میں مبتلا ہو کر طواف کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو حکم دیا کہ گھر میں بیٹھی رہے، اس نے راضی ہو کر اللہ کے نزدیک اس کے اجر کی امید میں اس پر عمل کیا، اس نے حضرت عمرؓ کے کلام کو شرعی حکم سمجھا انتظامی حکم نہیں سمجھا، جس کی مخالفت ان کی موت کے بعد جائز ہو۔ یہ حکم یا اس کی بجا آوری کا اعلی مقام ہے جس کی کوئی مثال آپ ہمارے موجودہ زمانہ میں نہیں پائیں گے۔

۶- اگر مرض متعدی نہ ہو اور مریض حج کے مناسک ادا کرنے پر قادر ہو تو حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اسلام کی رحمت نے ان پر بعض احکام کو آسان کر دیا ہے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

الف- بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے پیچھے رہ کر سواری پر طواف کرلو'' (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب المریض یطوف

راکبا(۱۶۳۳))۔

ب- بخاری ومسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: ”میں مزدلفہ آئی تو حضرت سودہؓ نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے (منی) چلی جائیں، اور وہ سست رفتار عورت تھیں، تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے چلی گئیں (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، باب استحباب تقدیم الضعفۃ من النساء وغیرھم من المزدلفۃ الی منی فی أواخر اللیل قبل زحمۃ الناس (۸۱۲))۔

ج-حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے ضعیف اہل وعیال کے ساتھ پہلے روانہ کیا (حوالۂ سابق، حدیث نمبر (۸۱۴))۔

د-جس شخص کو جوئیں ایذا پہنچائیں اس کے لئے بال مونڈنا جائز ہے۔ اس لئے کہ بخاری ومسلم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ کعب بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم کو اس حد تک تکلیف پہنچ گئی ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی بکری نہیں ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تین دن روزہ رکھو یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاؤ، ہر مسکین کو نصف صاع کھانا (گندم) دو اور اپنا سر مونڈ الو، چنانچہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی، لیکن وہ تمہارے لئے عام ہے (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، باب جواز حلق المحرم رأسہ إذا کان بہ أذی، حدیث نمبر (۷۵۰))۔

اور مراد یہ آیت ہے: ”ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله“ (بقرة:۱۹۶) (اور اپنے سروں کو نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے)۔

ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے احکام میں صحت وتندرستی کے حالات کی رعایت کی گئی ہے اور لوگوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے۔جس شخص کو سفر حج میں کوئی بیماری لاحق ہو جائے وہ سوار ہو کر طواف وسعی کرے گا اور کوئی حرج نہیں ہوگا، جس شخص کو جمرۂ عقبہ میں بھیڑ کا اندیشہ ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ اس کے جسم کو اذیت پہنچے گی یا عورت کو اپنی عزت و آبرو کا خطرہ ہو یا بچوں کو اپنی کم عمری کی وجہ سے اندیشہ ہو تو وہ فجر سے پہلے مناسب وقت کا انتخاب کریں گے، جیسا کہ حضرت اسماءؓ نے کہا، یا طلوع آفتاب سے پہلے کسی وقت کا انتخاب کریں جیسا کہ حضرت سودہؓ نے اور بچپن میں ابن عباسؓ نے کیا، یا مغرب کے بعد کریں جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بھتیجی صفیہ بنت ابی عبید کے ساتھ کیا اور انہیں کوئی حرج لاحق نہیں ہوا۔ اسی طرح سخت بھیڑ کے اندیشہ سے ظہر سے پہلے یا مغرب کے بعد جمرات کی رمی کرے گا، ایسے ہی اسلام نے اس شخص کو حلق کرانے کی اجازت دی ہے جس کو کسی بھی جلدی مرض کی وجہ سے اذیت ہو اور وہ اس کے بدلہ میں روزہ رکھے گا۔ یہ تمام احکام ایک ہی محور کے گرد گھومتے ہیں اور وہ محور یہ ہے کہ کسی مسلمان مرد یا عورت کو اس کی جسمانی طاقت سے زیادہ مکلف نہ بنایا جائے، اس لئے کہ یہ اس کی تندرستی کو کبھی ایسا سخت نقصان پہنچا دے گا جس کا علاج انتہائی دشوار یا ناممکن ہوگا۔

۷- تمام عبادات سے زیادہ حج میں چلنے کی مشقت ہوتی ہے، یعنی راستے میں سفر کرنا مکہ اور مسجد حرام میں داخل ہونا، بیت اللہ کا طواف کرنا، پھر زمزم کے کنویں کے پاس آنا، پھر صفا پہاڑی پر چڑھنا اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا، میلین اخضرین کے درمیان مردوں کے لئے ہلکا دوڑنا، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منٰی جانا اور نویں ذی الحجہ کو عرفات جانا اور مزدلفہ واپس آنا، پھر منٰی جانا اور جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا، پھر بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے جانا، پھر منٰی واپس آنا اور تین رات گذارنا، روزانہ تینوں جمرات کی رمی کرنا، یہ طویل مسافتیں ہیں جن میں انسان پیدل چلتا

ہے اور مشہور ہے کہ چلنے کی ورزش، سب سے اہم ورزش ہے، جس سے جسمانی صحت کی حفاظت ہوتی ہے اور جسم میں جمع شدہ زہر اور چربی سے جسم کو چھٹکارا ملتا ہے، پھر مزید یہ کہ ان مقاماتِ مقدسہ میں سے اکثر گرم فضا والے ہیں یعنی ان میں چلنے کے ساتھ پسینہ نکلتا ہے جو جسم میں موجود بہت سے نقصان دہ مادوں کو ختم کر دیتا ہے۔

خاتمہ:

اول: خلاصۂ بحث

۱- ان پانچوں عبادات میں سے ہر عبادت نفس انسانی میں اس کے بنیادی پہلوؤں، روحانی، اخلاقی، عقلی اور جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ متوازن اور گہرا اثر رکھتی ہے۔

۲- انسان کو مکمل طور پر اس توازن کو پیدا کرنے کے لئے الگ الگ ہر عبادت کی ضرورت ہے، جیسے انسان کو کھانے کی ضرورت ہے، لیکن کھانا اس کو پانی سے بے نیاز نہیں کر سکتا اور یہ دونوں ہوا سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے، یا اس کے برعکس کرے یا اسی طرح طہارت حاصل کرے، نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور حج کی استطاعت کے باوجود اس کو چھوڑ دے تو یہ اس کی ذات کی نشو ونما میں حقیقی خلل کا سبب ہوگا۔

۳- یہ عبادت ہر مسلمان کی تربیت میں موثر طریقہ پر حصہ لیتی ہے تاکہ وہ امت کے تمام افراد کے لئے نمونہ ہو اور صاف ستھرے ظاہر کی نمائندگی کرے۔ لہٰذا اگر تمام مسلمان ان عبادات کو اس طریقہ پر ادا کرنے کا اہتمام کریں جس کو میں نے پیش کیا تو یہ امت کی طرف اسلامی رنگ کے لوٹ آنے کا سبب ہوگا جیسے ظاہر و باطن کی نظافت، چہرہ کا نور، خاص طور پر وضو اور نماز سے حاصل ہونے والا اصلاح وتقوی، نرمی، بلند اخلاق، دل کی صفائی، عقل کی تیزی، بدن کی قوت اور جسم کی سلامتی وغیرہ۔

دوم - تجاویز

۱-ضروری ہے کہ وزارتیں اور انسانی تربیت کا اہتمام کرنے والے ادارے انسان کے ماحول پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے خود انسانی جوہر کو نکھارنے کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں۔ اس لئے کہ اگر انسان اپنے گردوپیش کی تمام چیزوں کا مالک ہوجائے لیکن خود اس کا نفس اندرونی توازن سے خالی ہوتو وہ اس تہذیب وتمدن کو فروغ دینے کے بجائے اس کی تخریب کا سبب بن جائے گا۔

۲-شرعی عبادت ہی وہ تربیتی پیمانہ ہے جس سے ایک متوازن نسل تیار ہوتی ہے، جس کے پاس قوت ارادی، عمل کی سچائی، مردوں کی جوانمردی اور بہادروں کا صبر ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم میں ان کا خاص اہتمام کیا جائے، خواہ ان کی کمیت کے لحاظ سے ہو یا ان کی ادائگی کی کیفیت کے لحاظ سے۔

۳-وزارت تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی تربیت کے مضامین میں ترمیم کرے، اس طور پر کہ عبادات کے فقہی احکام کو ان کے تربیتی مقاصد اور ان کے عملی اثرات کے ساتھ پیش کرے۔ تاکہ استاذ اور طالب علم اس کے ساتھ ہم آہنگ ہوں اور اس کا اثر قبول کریں اور علمی مضمون اپنا معرفتی، قلبی اور عملی نتیجہ ظاہر کرے۔ اس کے لئے اسلامی تربیت کے نصاب میں اضافہ اور عبادات اور ان کے تربیتی اثرات کی تشریح کے لئے تعلیمی اور تربیتی کیمپ لگانے کی ضرورت ہوگی۔

۴-یونیورسٹیاں عبادات کے لئے مقررہ نصاب تعلیم پر نظر ثانی کریں، اس طرح کہ ان کے تربیتی اثرات کی طرف ایسی توجہ مبذول کی جائے جیسی کہ ہر عبادت کے حکم شرعی کی طرف مبذول کی جاتی ہے۔

۵-وزارت اطلاعات مسلمان آدمی کی شخصیت کی تعمیر میں اپنا رول ادا کرے، تاکہ ان

پے در پے فتنوں سے اس کی حفاظت ہو اور یہ چیز حکم، بلند مقاصد اور ہر عبادت کے روحانی، اخلاقی، عقلی اور جسمانی فوائد کو ظاہر کرنے سے حاصل ہوگی۔

۶-وزارت اوقاف خطباء اور ائمہ کو اس طرف متوجہ کرے کہ وہ موجودہ دور میں مسلمان کی شخصیت کی تعمیر میں ان عبادات کے کردار کو بیان کریں۔ وزارت ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی ہمت افزائی کے لئے انعامات پیش کرے جو مسلمان مرد و عورت پر ان عبادات سے مرتب ہونے والے چند اثرات پر تحقیق کا کام کریں۔

۷-اسلامی ادارے مشرق و مغرب میں اسلام کی دعوت ایسے نئے اسلوب میں پیش کریں جن سے اسلام میں عبادات کے عقلی، اخلاقی، نفسیاتی اور صحت سے متعلق اثرات ظاہر ہوں۔ اس کو اگر بہتر طریقہ پر پیش کیا جائے تو آج کے دور میں بہت سے ظالموں کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب ہوگا۔

واللہ ولي التوفيق، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

* * * *